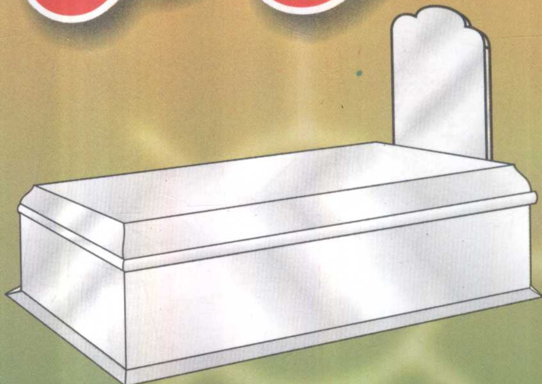
سماعِ موتیٰ



مؤلف

شیخ الاسلام حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ

تبویب وتخریج

حافظ عبدالوہاب روپڑی

ناشر

محدث روپڑی اکیڈمی

جامع القدس چوک دالگران۔ لاہور۔

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ

سماع موتی

مؤلف

شیخ الاسلام حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ

تبویب وتخریج

حافظ عبدالوہاب روپڑی

ناشر

محدث روپڑی اکیڈمی جامع القدس چوک دالگراں لاہور

نام کتاب .... **سماع موتی**

مولف .... شیخ الاسلام حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ

طبع .... اول

تعداد .... ایک ہزار

قیمت ....

سن اشاعت ۲۰۰۱ء

کمپوزنگ .... **حافظ نصراللہ بھٹی**

ناشر

محدث روپڑی اکیڈمی جامع القدس چوک دالگراں لاہور

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضمون

فہرست مضمون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

برصغیر (پاک وہند) میں جن علمائے اہلحدیث نے مقلدین احناف کے غلط عقائد کی اصلاح کی طرف توجہ کی ان میں حضرت العلام مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ کا نام سرفہرست ہے حضرت العلام مرحوم ومغفور اپنے دور کے جلیل القدر عالم دین، مجتہد، مفتی اور مناظر تھے تمام علوم اسلامیہ پر انکی نظر وسیع تھی اور مذاہب اربعہ پر ان کا مطالعہ بہت زیادہ وسیع تھا مقلدین احناف نے بیشتر دینی مسائل میں حدیث نبوی ﷺ سے اختلاف کیا ہے اور حدیث کے مقابلہ میں اپنے امام کے قول کو ترجیح دی ہے حالانکہ مذہب حنفی کے بانی حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے

کہ جب میرے قول کے مقابلہ میں صحیح حدیث مل جائے تو اس وقت میرے قول پر عمل کرنا چھوڑ دو اور صحیح حدیث پر عمل کرو لیکن علمائے تقلید اپنے تقلیدی تعصب میں غلو کی وجہ سے اس طرف توجہ نہیں کرتے۔

''سماع موتی'' کے مسئلہ میں علمائے تقلید کا عقیدہ یہ ہے کہ مردے سنتے ہیں اور ہماری حاجتیں بھی پوری کرتے ہیں حالانکہ یہ عقیدہ کتاب وسنت کی روشنی میں سراسر غلط ہے ۱۹۳۵ء سے قبل ایک رسالہ بنام سماع موتی واستمداد علمائے تقلید کی طرف سے شائع ہوا تھا اس رسالہ کا جواب حضرت العلام مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ نے اس وقت ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث روپڑ میں بالاقساط دیا تھا اور بعد اب ہم بفضل للہ تعالی کتابی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

یہ کتاب عرصہ ۶۶ سال سے نایاب ہو چکی تھی اب اس کتاب کو محدث روپڑی

اکیڈمی لاہور نے دوبارہ شائع کیا ہے اوراسی طرح محدث روپڑیؒ کی تمام کتب کو طباعت کے زیور سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت العلام مرحوم ومغفور کے درجات بلند کرے اور اس کتاب کو عوام وخواص میں مقبول بنائے۔

خادم العلماء

حافظ عبدالوہاب روپڑی

ناظم: **محدث روپڑی اکیڈمی** چوک دالگراں لاہور

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں:۔

(۱) دعاء میں بحرمت فلاں یا بحق فلاں کہنا

(۲) یا کسی بزرگ کی قبر پر جا کر یوں کہنا کہ یا ولی اللہ میرے لئے دعاء مانگ کہ اللہ میرے حال پر رحم کرے، کیونکہ وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور فریاد سنتے ہیں،

(۳) یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اولیاء عظام کو خدا کی خدائی میں اختیارات اور تصرفات حاصل ہیں۔

(۴) یا یہ عقیدہ رکھنا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ عظام بعض اوقات بشریت سے خارج ہو کر الوہیت کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ یا حقیقت میں بشر ہی نہیں۔

(۵) یا ان کو حاضر ناظر سمجھنا اور ان کے عالم الغیب ہونے کا اعتقاد رکھنا،

(۶) یا غیر اللہ کی منت ماننا،

(۷) یا مولود کرنا۔

(۸) یا یہ عقیدہ رکھنا کہ انبیاء بغیر اجازت خدا کے شفاعت کر سکتے ہیں۔

(۹) یا شیخ عبدالقادر جیلانی **شیئاً لِلّٰہ** کہنا۔

(۱۰) یا بزرگوں کی قبروں سے استفادہ کرنا، یعنی فیض ظاہری اور باطنی حاصل کرنا۔

جواب

اس استفتاء کا جواب ہم پہلے مندرجہ ذیل رسائل میں بڑی تفصیل کے ساتھ دے چکے ہیں: دعا بحرمت انبیاء، وسیلہ بزرگاں، نور محمدی، بکرادیوی، ردّ بدعات، اور بعض کے جوابات اخبار تنظیم اہلحدیث کے متفرق نمبروں میں بھی ہو چکے ہیں، اب ہم ایک رسالہ کا جواب دیتے ہیں، جس سے اس استفتاء پر بھی روشنی پڑے گی، انشاء اللہ۔ اس رسالہ کا نام جس کا ہم جواب دینا چاہتے ہیں۔ ''سماع موتی واستمداد'' ہے۔

عبداللہ امرتسری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سَماع مَوتی واستمداد

کچھ عرصہ ہوا ایک دوست نے بغرضِ جواب یہ رسالہ دیا تھا۔ میں چونکہ قلیل الفرصت ہوں اس لئے اس رسالہ کے مطالعہ کا اتفاق نہیں ہوا چہ جائیکہ جواب لکھتا، اب اس استفتاء کے جواب کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ اس رسالہ کا جواب بھی دینا چاہئے، تاکہ مسئلہ سماع موتی ومسئلہ استمداد پوری روشنی میں آجائے، اور کسی صاحب کو کسی طرح کے کلام کی گنجائش نہ رہے۔

اس رسالہ کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ مضمون درحقیقت بغرض اندراج ''الفقیہ'' امرت سر کو بھیجا گیا تھا بعد میں رسالہ کی صورت میں شائع کیا گیا۔ جس کو آج ۲۴ سال کا عرصہ ہوگیا ہے۔ کیونکہ سنہ ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوا ہے اب سنہ ۱۳۵۴ھ ہے۔ مضمون نگار مولوی حسن میاں پھلواری ہیں۔ ہم ان کی عبارت لفظ بلفظ نقل کریں گے تاکہ ہمارا جواب دیکھنے والے کو اصل رسالہ خریدنے کی ضرورت نہ رہے۔ مولوی حسن میاں کی عبارت کو عنوان ''پھلواری'' ہوگا اور ہماری عبارت کا عنوان جواب، خدا سے دعا ہے کہ مجھے تحقیق حق کی توفیق دے اور بھائیوں کو قبول کرنے کی۔ آمین

پھلواری:- امابعد سماع موتی وغیرہ کے مسئلہ پر جب مباحثہ شروع ہوتا ہے۔ تو فریقین میں سے کسی کو اصل مسئلہ پر روشنی ڈالنے کا خیال نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حق ان کی آنکھوں سے چھپا رہتا ہے۔ ہر فریق پہلے سے اپنے ذہن میں ایک اعتقاد جازم رکھ لیتا ہے۔ پھر اسی بنا پر روایت کشی کرتا ہے۔ اور اپنے فریق کی پیش کردہ آیات واحادیث کی تاویلات بعید

کرتا ہے۔ مثلاً منکرین سماع موتی کا طرز استدلال یوں ہے۔ کہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے۔(۱) **انك لاتسمع الموتیٰ** تو مردوں کونہیں سنا سکتا(۲) **وماانت بمسمع من فی القبور** تو قبروالوں کونہیں سنا سکتا۔اس سے معلوم ہوا کہ مردے نہیں سُن سکتے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے تفقہ اور خداداد علمی قابلیت کے رُو سے قلیب بدر کے قصے میں سماع اموات سے انکار کرتے ہوئے اسی آیت کو استدلال میں پیش کرتی ہیں، اور پھر انہی نصوص کی وجہ سے فقہائے حنفیہ حلف کے مسئلہ میں **فان المیت لایسمع** لکھ دیا کرتے ہیں۔جیسا کہ اکثر فتاویٰ کتب حنفیہ میں مصرح موجود ہے۔

یہ فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ سب باتیں ٹھیک ہیں نہ قرآن کی آیت غلط نہ فقہائے کرام کے مسائل مصرحہ غلط، مگر خدارا فریق ثانی کے استدلال ومعارضہ پر بھی ذرا غور کیجئے وہ کہتے ہیں کہ آیات مستدلہ سے سماع اموات ہرگز مستنبط نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ **ان الاموات لایسمعون** نہیں وارد ہوا، جو بطور استدلال **عبارۃ النص** پیش ہو، اور آیات مذکورہ سے موتی سے مراد مُردے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ استعارہ ہے، کفار کے ساتھ کہ ان کو اموات سے تشبیہ دی گئی ہے۔اور وجہ شبہ (مشبہ ومشبہ بہ ہیں) عدم اجابت (عدم قبول) ہے نہ عدم سمع، اور یہ ظاہر ہے کہ کفار بہرے نہ تھے، نہ ان کی قوت سمعیہ زائل تھی، بلکہ ان کو قبول نہ تھا، یعنی سن کر پھر اجابت حق نہ کرتے تھے کیا **صُمٌّ عُمْیٌ** میں کوئی اہل علم کہہ سکتا ہے کہ وہ سب گونگے بہرے، اندھے تھے؟ لاواللہ، وجہ شبہ اموات اور کفار میں وہی عدم اجابت (عدم قبول) ہے۔پھر اس سے عدم سمع کیونکر ثابت ہوا؟۔

جواب:- یہاں تین طرح سے کلام ہے۔اول یہ کہ جب آپ تسلیم کر چکے ہیں۔ کہ فقہاء ان ہی نصوص سے نفی سماع موتی پر استدلال کرتے ہیں اور آپ کے نزدیک یہ

استدلال صحیح نہیں۔تو پھر آپ کا یہ کہنا کیونکہ صحیح ہوگا۔کہ نہ قرآن کی آیت غلط نہ فقہائے کرام کے مسائل مصرحہ غلط'' کیونکہ جب آپ کے نزدیک یہ نصوص نفی سماع پر دلالت نہیں کرتیں۔تو فقہاء پرتو آپ نے پہلے ہاتھ صاف کرلیا۔

دوم یہ کہ سماع ثابت کرنے سے مقصودتو آپ کا استمداد ہے۔جب اجابت (قبول)نہیں کرتے تو اس میں بحث ہی فضول ہے۔ویسے سماع سے کیا فائدہ؟اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

ان تدعوهم لا يسمعوا دعاء كم ولو سمعوا ما استجابوا لكم ويوم القيامة يكفرون بشرككم .

ترجمہ: یعنی اگرتم ان کو پکاروتو وہ تمہاری پکارکونہیں سنیں گے،اگر بالفرض سنتے (1) تو قبول نہ کرتے،اور قیامت کے دن تمہارے شرک سے انکارکریں گے۔

---

(۱)اگرکہاجائے کہ یہ بتوں کی بابت ہےتواس کے تین جواب ہیں ایک یہ کہ یہ عام ہے۔ملاحظہ ہوتفسیر جمل وغیرہ،تفسیرجمل ہیں: **يجوز ان يرجع هذا الى المعبودين ممن يعقل كالملائكة والجن والانبياء والشياطين اى ان يجهدون ان يكون مافعلتموه حقا وانعم امركم بعبادتهم كما امرالله عن عيسى بقوله مايكون لى ان اقول ماليس لى بحق ويجوز ان يندرج فيه الاصنام ايضا يحيها الله حتى تخبربانها ليست اهلابعبادة (جمل جلد۳ ص۵۸۷)**

یعنی جائز ہے کہ اس آیت میں صرف اہل عقل مراد ہوں،جیسے فرشتے،جن،انبیاءعلیہم السلام،شیاطین، یہ تمام ان لوگوں کی عبادت کرنے سے انکارکردینگے،جیسےعیسیٰ علیہ السلام کی بابت اللہ تعالیٰ نےخبردی ہے کہ وہ قیامت کی دن کہیں گے،میرے لئے لائق نہیں کہ میں وہ بات کہوں جومیراحق نہیں اور جائز ہے کہ اس میں بت بھی داخل ہوں،بتوں کواللہ زندہ کرے گا تاکہ وہ خبردیں کہ وہ عبادات کے لائق نہ تھےاس عبارت سے معلوم ہوا کہ بزرگ توہرصورت میں مرادہیں خواہ بت مرادہوں یانہ،اسی طرح دیگرتفاسیر میں ہے۔(بقیہ اگلے صفحہ پر)

سوم یہ کہ آپ نے جو وجہ شبہ عدم اجابت قرار دی ہے۔ یہ ٹھیک نہیں کیونکہ قرآن میں ہے۔

انما یستجیب الذین یسمعون والموتی یبعثھم اللّٰہ (الآیہ)

یعنی، قبول وہی لوگ کرتے ہیں، جو سنتے ہیں یعنی کافر سنتے ہی نہیں اور مُردوں کو اللہ اٹھائے گا دیکھئے! اس آیت میں قبول کا الگ ذکر ہے اور سمع کا الگ۔ اور کافروں سے سمع کی نفی فرمانی ہے۔ پس وجہ شبہ عدم سمع ہے۔ مگر چونکہ شبہ بہ میں وجہ شبہ اتم ہوتی ہے یعنی جب تشبیہ سے مقصود الحاق ناقص بالکامل ہوا اس لئے موتی میں تو سمع سرے سے نہیں اور کفار میں سمع نافع نہیں، یعنی خالی آواز سنتے ہیں۔ جس کا مطلب کچھ نہیں سمجھتے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دوسرا جواب یہ ہے کہ کفار ظاہر میں اگرچہ بُت پوجتے تھے، مگر مقصود ان کا بزرگوں کی پوجا تھی۔ بتوں کو بزرگوں کے اتار سمجھ کر بطور یادداشت کے سامنے رکھتے، جیسے آجکل تعزیہ کی پوجا ہوتی ہے۔ ورنہ بیوقوف سے بیوقوف بھی یہ نہیں کہہ سکتا، کہ اپنی ہاتھ کی بنائی ہوئی شئے مرادیں دے سکتی ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔ **اولئك الذین یدعون یتبعون الیٰ ربھم الوسیلہ** ۔ یعنی جنکو کافر پکارتے ہیں۔ وہ اللہ کی طرف وسیلہ یعنی قرب ڈھونڈتے ہیں، کیا بُت بھی قُرب ڈھونڈتے ہیں؟ نیز ایک اور آیت میں ہے۔ **ومن اضل ممن یدعوا من دون اللّٰہ من لایستجیب لہ الیٰ یوم القیامۃ وھم عن دعاء ھم غافلون** . (سورہ زخرف پ ۲۶) یعنی اس سے کون زیادہ گمراہ ہے جو اللہ کے سوا ان لوگوں کو پکارے جو قیامت تک قبول نہیں کرتے اور وہ ان کی پکار سے غافل ہیں، دیکھئے اس آیت میں من دون اللّٰہ ہے یعنی جو اللہ کے سوا ہو۔ خواہ کوئی ہو، اسی طرح ایک اور آیت میں ارشاد ہے۔ **والذین یدعون من دون اللّٰہ لایخلقون شیئا وھم یخلقون اموات غیر احیاء ومایشعرون، ایان یبعثون** (النحل پ ۱۴) ۔ یعنی، جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں مردے ہیں زندہ نہیں، اور ان کو یہ خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے

ومثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق بمالا یسمع الادعاء ونداء صم بکم فھم لایعقلون (الآیہ پ ۲)

یعنی کافروں کو بلانے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے، جو ایسی شئے کو پکارتا ہے جو صرف پکار آواز سنتی ہے۔ بہرے، گونگے، اندھے ہیں، پس وہ نہیں سمجھتے۔

ردالمختار جلد۳ص ۸۳۶ باب الیمین فی الضرب الخ میں بحوالہ فتح القدیر لکھا ہے:

یشکل علیھم مافی مسلم ان المیت یسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا الا ان یخصوا ذلک باول الوضع فی القبر مقدمۃ للسوال جمعا بینہ وبین الآیتین (ای قولہ تعالیٰ انک لا تسمع الموتیٰ وقولہ تعالیٰ وما انت بمسمع من فی القبور) فانہ شبہ فیھما الکفار بالموتیٰ لافادۃ بعد سماعھم وھو فرع عدم سماع الموتیٰ ھذا حاصل ماذکرہ فی الفتح ھنا وفی الجنائز.

یعنی حنفیہ پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ مسلم کی حدیث میں آیا ہے۔ جب میّت کو دفن کر کے لوٹتے ہیں تو میت ان کے پاؤں کی آواز سنتی ہے لیکن حنفیہ اس کا یہ جواب دے سکتے ہیں کہ یہ مُردے کی دفن کی وقت کے ساتھ خاص ہے تا کہ مُردے سے (منکر نکیر کا) سوال جواب ہو۔ اس طرح سے اس حدیث اور دونوں آیتوں **انک لاتسمع الموتیٰ** اور **ومآانت بمسمع من فی القبور** میں موافقت ہو جائے گی، کیونکہ ان آیتوں میں کفار کو مُردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے، تا کہ (اللہ اپنے رسول پر یہ) ظاہر کر دے، کہ کفار کا (آپکی) بات کو سننا بعید امر ہے، اور یہ مطلب مُردوں کے عدم سماع پر موقوف ہے۔

دیکھئے! اس عبارت میں وجہ شبہ وہی بیان کی ہے، جو ہم نے بتلائی ہے۔ یعنی کفار کا سننا بعید بات ہے جیسے مردے نہیں سنتے، تعجب ہے کہ آپ باوجود مقلد ہونے کے آیتوں حدیثوں کا

مطلب اپنے فقہاء کے خلاف بیان کرتے ہیں۔

جو کہنا ہے سو کہہ لیکن سمجھ کر مردِ نعمانی
لگانا آگ اپنے گھر کو کیسی ہے یہ نادانی

پھلواری:-اور سنئے !انك **لاتسمع الموتیٰ** اورو**ماانت بمسمع من فی القبور** (تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا،تو قبروں والوں کو نہیں سنا سکتا) فرمایا گیا جو بات افعال سے ہے۔جس کے معنی یہ ہوئے کہ تم نہیں سنا سکتے ہو،اور خدا بھی انہیں نہیں سُنا سکتا،کیا آیت انك **لاتھدی من احببت ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء** (تو نہیں ہدایت کرتا جس کو دوست رکھے،اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) اس بات کی صاف دلیل نہیں؟

جواب: آپ کو قرآن کی آیت یاد نہیں؟ **انک لاتھدی** سے استدلال کی کیا ضرورت ہے آیت **وما انت بمسمع من فی القبور** سے پہلے یہ لفظ ہے۔**ان اللّٰہ یسمع من یشاء** پ۲۲ یعنی ،اللہ جس کو چاہتا ہے سناتا ہے،مگر جب ہم نہیں سنا سکتے تو مسئلہ استمداد کی جڑ ہی کٹ گئی،کیونکہ اگر ہم اللہ کے سنانے پر استمداد کریں،تو اللہ تو بتوں کو بھی سنا سکتا ہے،تو کیا بتوں سے بھی استمداد جائز ہے؟ کیا اللہ نے کہیں کہا ہے کہ تم مُردوں کو پکارو میں تمہاری فریاد ان تک پہنچانے کا ذمہ دار ہوں؟ بلکہ قرآن میں ارشاد ہے۔**ان تدعوھم ولا یسمعوا دعاء کم ولو سمعوا مااستجابوا لکم** (پ ۲۲) یعنی اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار کو نہیں سنے گا۔اگر سنتے تو قبول نہ کرتے۔

امام ابوحنیفہ اور سماع موتی

یہی وجہ ہی کہ امام ابوحنیفہؒ نے ایک شخص کو جو بزرگوں کی قبر پر جا کر ان سے دعا چاہتا تھا،جھڑکا تھا،چنانچہ غرائب فی تحقیق المذاہب میں ہے،اصل عبارت حاشیہ نمبر

(۱) میں ملاحظہ ہو۔

خدا کی شان مولوی پھلواری صاحب کی تمہید ہی آیندہ بحثوں کی صاف کر رہی ہے۔ مگر اسی پر خوش ہیں۔ سچ ہے۔

یکے بر سرِ شاخ و بُن می بُرید

احناف کے نزدیک فہم صحابہ نہیں

پھلواری:- اب رہا حضرت صدیقہ کا قول اور ان کا استدلال تو اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے۔ کہ فہم صحابہ حجت [1] نہیں ہے، بالخصوص بمقابلہ نص ومخالفت دیگر صحابہ کرام

---

(۱) غرائب فی تحقیق المذاہب کی اصل عبارت یہ ہے:-

رای الامام ابو حنفیة من یاتی القبور لاهل الصلاح فیسلم ویخاطب ویتکلم ویقول یا اهل القبور هل لکم من خیر وهل عندکم من اثرانی اتیتکم و نادیتکم من شهور ولیس سوالی منکم الاالدعاء هل دریتم ام غفلتم فسمع ابو حنفیة یقول یخاطبه بهم فقال هل اجابوا لك قال لا فقال له سحقاً لك وتربت یدا ك کیف تکلم اجسادالایستطیعون جواباً ولا یملکون شیئا ولایسمعون صوتاً وقرأ وما انت بمسمع من فی القبور.

یعنی امام ابوحنفیہؒ نے ایک شخص کو دیکھا جو صالحین کی قبروں پر آتا پس سلام ڈالتا اور ان سے خطاب کرتا۔ اور کلام کرتا اور کہتا کہ اے اہل قبور کیا تمہارے لئے بھلائی ہے کیا تمہارے پاس کوئی نشان ہے میں تمہارے پاس کئی ماہ سے آتا ہوں۔ پکارتا ہوں اور میرا سوال تم سے صرف دعا کا ہے کیا تم نے جانا یا غافل رہے، پس امام ابوحنیفہؒ نے جب یہ سُنا تو اس شخص کو ان بزرگوں کے حق میں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ انہوں نے تیری بات کو قبول نہیں کیا؟ کہا نہیں فرمایا تجھ پر پھٹکار ہو اور تو ذلیل ہو جائے تو ایسے جثوں سے کیوں کلام کرتا ہے جو جواب کی طاقت رکھتے ہیں نہ آواز سنتے ہیں اور یہ آیت پڑھی **وما انت بمسمع من فی القبور** یعنی تو اہل قبور کو نہیں سنا سکتا۔

[1] قول صحابی امام ابوحنیفہ کے نزدیک حجت ہے۔

حضرت عمر و حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو واقعہ بدر میں شریک تھے، بجز دفہم حضرت ام المؤمنین تو اس واقعہ میں شریک بھی نہ تھیں، معہذا خود حضرت ام المؤمنین سے ایسی روایت بھی منقول ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے (اپنے) اس خیال سے رجوع فرمایا ہے۔

جواب: - واقعہ بدر یہ ہے کہ جنگ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے، ان کو لاشیں رسول اللہ ﷺ نے کنوئیں بدر میں ڈال کر کہا۔ کہ تم نے خدا کا وعدہ حق پایا؟ ہم سے جو کچھ خدا نے وعدہ کیا ہم نے تو حق پایا۔ صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ ایسے جثوں سے کس طرح کلام کرتے ہیں۔ جن میں روحیں نہیں، آپؐ نے فرمایا تم میں ان سے کوئی زیادہ سننے والا نہیں، یعنی وہ اس وقت سنتے ہیں، یہ واقعہ بدر ہے اس کے راوی حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو جب یہ حدیث پہنچی تو کہا رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمایا کہ وہ اب سنتے ہیں، بلکہ آپ نے فرمایا کہ وہ اب جانتے ہیں، کہ جو کچھ میں ان کو ان کی زندگی میں کہتا تھا، وہ حق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انک **لاتسمع الموتیٰ** اور **وما انت بمسمع من فی القبور** یعنی اے محمد تو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا، اور قبروں والوں کو نہیں سُنا سکتا۔

مولوی پھلواری صاحب حضرت عائشہؓ کے قول کے دو جواب دیئے ہیں، ایک یہ کہ فہم صحابہ حجت نہیں بالخصوص بمقابلہ نص و مخالفت دیگر صحابہ، دوم یہ کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے قول سے رجوع کیا ہے لیکن مولوی پھلواری صاحب کی خدمت میں ہماری یہ عرض ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری جزء ۷ صفحہ ۲۰۴ حضرت عائشہؓ کا رجوع شک کے ساتھ ذکر کیا ہے اس لئے رجوع تو کوئی تسلی بخش بات نہیں، اور حضرت عائشہؓ آیت کریمہ انک **لاتسمع الموتی** اور **وما انت بمسمع من فی القبور** سے استدلال کرتی ہیں، اس لئے ان کا مجرد فہم کہنا بھی ٹھیک نہیں۔

ہاں دیگر صحابہؓ کی روایت بھی ردّ نہیں ہوسکتی، مگر آپ نے اصول میں پڑھا ہے، **وقائع الاعیان لایحتج بھا علی العموم** خاص واقعہ سے عام استدلال صحیح نہیں، اور یہ واقعہ بدر ایک خاص واقعہ ہے احتمال ہے رسول اللہ ﷺ کی آواز ان کافروں کو جو قتل کے بعد کنوئیں میں ڈالے گئے تھے۔ اللہ نے سُنادی ہو۔ چنانچہ آپ بھی کہہ چکے ہیں کہ اللہ سُنا سکتا ہے۔ ہم اگر چہ نہیں سنا سکتے، گویا یہ آواز بطور معجزہ کے سُنادی گئی۔

علامہ عینی حنفیؒ شرح بخاری جلد ۸ صفحہ ۲۰۲ باب ماجاء فی عذاب القبر میں لکھتے ہیں:

قال ابن التین لا معارضة بین حدیث ابن عمر والایة لان الموتیٰ لایسمعون بلاشك ولكن اذا اراد الله اسماع مالیس من شانه السماع لم یمتنع كقوله تعالیٰ انا عرضنا الامانة.

یعنی ابن التین کہتے ہیں، آیت حدیث میں کوئی مخالفت نہیں، کیونکہ مُردے بیشک نہیں سنتے مگر جب اللہ ارادہ کرے تو وہ ایسی شئے کو بھی سنا سکتا ہے، جو سماع کے قابل نہیں، کیونکہ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے آسمان، زمین پر امانت پیش کی۔

دیکھئے اس عبارت میں مُردوں کو سماع میں بمنزلہ جمادات کے قرار دیا ہے، جن کا سماع قطعاً خرق عادت ہے اور کتب فقہ میں بھی اس کو خرق عادت سے شمار کیا ہے، کفایہ شرح ہدایہ میں ہے۔

لوصح ذلك كان ذلك معجزة رسول الله ﷺ وقیل المقصود بذلك وعظ الاحیاء لا افهام الموتیٰ ونظیر ما روی ان علیا كان اذا اتی المقابر قال علیكم السلام یا قوم مؤمنین اما نساء كم فقد نكحت واما اموالكم فقد قسمت واما دوركم فقد سكنت، فهذا خبركم عندنا فما خبرنا عندكم.

(كفایه شرح هدایه جلد ۲ ص ۱۴۲ طبع احمدی دهلی)

یعنی ،اگر یہ حدیث صحیح ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہوگا، اور کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصود زندوں کو وعظ کرنا تھا نہ مُردوں کو سمجھانا اور اس کی نظیر حضرت علی کا قول ہے۔ جب قبرستان میں آتے تو فرماتے اے ایمان والو سلام ہو، تمہاری عورتیں نکاح کی گئیں، تمہارے مال تقسیم کے گئے، تمہارے گھروں میں دوسرے لوگ آباد ہو گئے، یہ تمہاری خبر ہمارے پاس ہے۔ ہماری خبر تمہارے پاس کیا ہے؟ اسی طرح دیگر کتب فقہ میں ہے۔ ملاحظہ ہو شامی جلد۳ ص۱۲۰ طبع مجتبائی دہلی، اور فتح القدیر جلد اول ص۲۸۲ اور جلد۲ ص ۵۴ کتاب الجنائز اور عینی شرح ہدایہ جلد۲ ص۲۴۰ طبع عالی لکھنؤ، اور مستخلص بر کنز الدقائق ص ۱۶۲ طبع لکھنؤ وغیرہ۔

بلکہ خود اس حدیث میں صحابہ ؓ کا کہنا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ایسے جثوں سے کس طرح کلام کرتے ہیں، جن میں روح نہیں؟ صحابہ نے اس کو خرق عادت سمجھا تبھی یہ کہا اسی لئے فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۳۴ باب قتل ابی جہل میں کہا ہے:-

قال السهيلي ما محصله ان في نفس الخبر ما يدل على خرق العادة بذلك **للنبي لقول الصحابة اتخاطب اقواما قد جيفوا.**

یعنی، خود اس حدیث میں وہ شئے ہے جو خرق عادت ہونے پر دلالت کرتی ہے، بوجہ قول صحابہ کے کہ کیا آپ ایسی لوگوں کو خطاب کرتے جو مردار ہو چکے؟ اور اسی حدیث میں قتادہ ایک راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اس وقت ان کو زندہ کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہو بخاری جز ۱۶ باب قتل ابی جہل پس عام استدلال اس واقعہ سے صحیح نہیں، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر حضرت عائشہؓ کا رجوع بھی ثابت ہو جائے تو اسی خاص واقعہ کی بابت ہوگا، اور قرآن کی آیت انك **لاتسمع الموتیٰ** اور وماانت **بمسمع من في القبور** سے حضرت عائشہ ؓ کا استدلال کرنا بھی اسی کو چاہتا ہے کہ اگر رجوع ہو تو خاص اسی واقعہ

میں ہو، پس ثابت ہوا کہ عام طور پر حضرت عائشہ ؓ کا اعتقاد یہی ہے کہ مُردے نہیں سنتے۔

پھلواری:۔ جب قرآن پاک سے بھی اس فریق کی لئے کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہے تو اب ہم کو سنت یعنی احادیث کی طرف رجوع کرنا چاہیئے تو یہ امر خوب روشن ہے کہ فن حدیث کی معتبر کتب صحاح ستہ اور دیگر مسانید و معاجم و سنن میں بکثرت روایات سماع موتی کے ثبوت میں موجود ہیں، بدر کا قصہ صحاح میں موجود ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ کہ تم سے یہ مُردے زیادہ سُن رہے ہیں، اور صحیح مسلم میں ہے کہ مردہ لوگوں کی جوتیوں کی کھٹ کھٹاہٹ اور چلنے کی آواز تک سنتا ہے، دیگر آیتوں میں ہے کہ مردہ زائرین کا سلام سنتا اور ان کو جواب دیتا ہے، ان حدیثوں کی تصحیح اکابر محدثین نے کی ہے اور فرقہ وہابیہ کے پیشوا جنہیں وہ عقاید میں اپنا جیسے علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم و ابن الہاد و قاضی شوکانی وغیرھم سب نے ان حدیثوں کی تصحیح کی ہے، اور سب سماع اموات کے قائل تھے، جیسا کہ صارم منکی اور کتاب الروح وغیرھما میں موجود ہے [1]۔ یہ عجب طرفہ تماشا ہے، ہ ہر مسئلہ میں تو یہ لوگ حرانی و شوکانی کا دم بھرتے ہیں۔ مگر عقائید حقہ میں ان کی تحقیقات کی ذرا پرواہ نہیں کرتے۔ اور حنفیہ کے الزام کے لئے چند بے سر پا روایات عامہ کتب فقہ کی اٹھالاتے ہیں۔ نہیں معلوم **اترکوا قولی بخبر الرسول** کا دروازہ یہاں کیوں مسدود کر دیا جاتا ہے، اور **حدیثیوں** کی بلا وجہ تاویل کہیں اس کو معجزہ کہنا کہیں اس کو خصائص سے شمار کرنا یہ کونسے انصاف و دیانت کا اقتضاء ہے، یہ فقط **اربعین ومائة مسائل** کی پاسداری ہے ہرگز اس میں حقانیت نہیں ہے۔

حاشیہ نمبر 1: یعنی، ان کا مُردہ ہو جانا اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ ان کی روحیں رسول اللہ ﷺ کے خطاب کے وقت لوٹائی نہ گئی ہوں۔

اہلحدیث اور اہل تقلید میں فرق

جواب:- آپ نے اہلحدیث اور اہل تقلید کے مذہب کی حقیقت نہیں سمجھی، اہل تقلید اپنے بڑوں کی بات کو حجت سمجھتے ہیں، اس لئے ان کو فقہاء کے اقوال کی پابندی کرنی پڑتی ہے اور اہلحدیث سوا قرآن وحدیث کے کسی کی بات کو حجت نہیں سمجھتے اس لئے وہ مخالفت موافقت کے ہر طرح سے مُجاز ہیں، ان کو نہ رسالہ اربعین کی پابندی ملحوظ ہے نہ مائتہ مسائل کی۔ وہ تو تحقیق کے طالب ہیں، جن بزرگوں کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ واقعی بزرگ ہیں، مگر جن لوگوں نے ائمہ اربعہ کی تقلید ترک کردی ہو ان کا ان بزرگوں سے کسی مسئلہ میں مخالف ہو جانا کیا بڑی بات ہے، اس کے علاوہ علی الاطلاق ان بزرگوں کو سماع موتی کے قائل قرار دینا یہ غلطی ہے۔

دیکھئے ابن قیم علیہ الرحمہ نے روح کے احوال میں مستقل کتاب لکھی ہے، جس کا آپ نے بھی حوالہ دیا ہے وہ ان کتاب کے ص ۷۰ میں لکھتے ہیں۔

لاینفی اسماع الارواح بعد الموت! سماع توبیخ وتقریع بواسطة تعلقها بالابدان فی وقت ما.

یعنی، بدن کے واسطہ سے کسی وقت ارواح کا اسماع اس کی نفی آیت کریمہ **انك لاتسمع الموتی** نہیں کرتی۔

اور اسی صفحہ میں چند سطریں پہلے واقعہ بدر کی بابت لکھتے ہیں۔

فلاینفی ذلك رد ارواحهم الی اجسادهم ذلك الوقت.

دیکھئے! واقعہ بدر کی حدیث کا مطلب انہوں نے وہی لکھا ہے جو ہم بتلا چکے ہیں، اور مسلم کی حدیث جوتیوں کی آواز سننے کا مطلب بھی آپ پوری حدیث دیکھ کر اور دیگر

احادیث ملا کر سمجھتے تو غلطی نہ لگتی، مسلم کی اسی حدیث میں ہے، کہ حساب کے وقت مردہ بٹھلایا جاتا ہے اور کتاب الروح کے ص ۶۲ میں مسند احمد کی حدیث ذکر کی ہے کہ حساب کے وقت مردہ بٹھایا جاتا ہے اور اسکی روح لوٹائی جاتی ہے تو اس وقت وہ اگر جوتیوں کی آواز سُنے تو بعید نہیں۔

ردالمختار میں بھی یہی مطلب لکھا ہے کہ یہ دفن کے وقت کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ ص ۵ میں گذر چکا ہے نیز کتاب الروح کے ص ۴ میں ہے۔

قال ابن عبدالبر قد ثبت عن النبی ﷺ انه قال مامن مسلم یمر علی قبر اخیه کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الارد الله علیه روحه حتی یرد علیه السلام.

یعنی، رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوگیا کہ کوئی مسلمان نہیں جو اپنے بھائی کی قبر پر گذرے جو اس کو پہچانتا تھا، پس اس پر سلام ڈالے مگر اللہ اس پر روح لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ جواب دیتا ہے۔

اس حدیث میں سلام کے جواب کی بابت روح لوٹائے جانیکا ذکر ہے نہ تمام باتوں کیلئے اور یہ بھی اس شخص کیلئے جس سے واقفیت ہو نہ ہر شخص کیلئے نیز روح لوٹائے جانے سے معلوم ہوا کہ مردہ ہر وقت نہیں سنتا ورنہ روح لوٹانے کی کیا ضرورت، اس محل میں ہم ایک جامع تقریر کرتے ہیں، جس سے سب آیتوں وحدیثوں میں موافقت بھی ہو جائیگی اور بعض احادیث صحاح اس مسئلہ کے متعلق وارد ہوئی ہیں ان کا مطلب بھی کُھل جائے گا، انشاء اللہ۔

خلاف قیاس بات اپنے محل پر بندر رہتی ہے

یہ ایک اصولی مسئلہ ہے کہ جو بات خلاف قیاس ہو وہ اپنے مورد میں بند رہتی

ہے یعنی جس محل میں وارد ہوئی ہے اس سے دوسرے محل میں جاری نہ کی جائے گی مثلاً نبی کے ہاتھ پر کوئی معجزہ ظاہر ہو تو اس سے یہ نہیں نکلتا کہ اب نبی کو کُلی اختیار ہے جس وقت چاہے کوئی بات کر لے، بلکہ جس وقت جو بات اللہ نے نبی کے ہاتھ پر اس قسم کی ظاہر کی وہ اسی محل میں سمجھی جائیگی، مثلاً اگر دیگر انسان بھولتے ہیں، تو نبی کا بھولنا بھی کوئی بعید نہیں، اگر اوروں کو بیماری اور دُکھ لگتا ہے تو نبی کو بھی لگتا ہے، اگر اور لوگ کسی معاملہ میں حیران ہو جاتے ہیں اور وہ معاملہ حسب منشاء نہیں ہوتا تو نبی کا بھی یہی حال ہے۔ اسی طرح ولی کو سمجھ لینا چاہئیے، جو بات اللہ نے ان کے ہاتھ پر خرق عادت ظاہر کر دی وہ ان کی کرامت ہوگی باقی باتوں میں وہ اور انسانوں کی طرح ہیں، اگر اس مسئلہ کو فروعات میں سمجھنا ہو تو یوں سمجھئے کہ حنفیوں کے نزدیک قہقہہ کے ساتھ وضوء ٹوٹ جاتا ہے، مگر وہ کہتے ہیں کہ نماز میں قہقہہ لگا کر ہنسے تو وضو ٹوٹے گا ورنہ نہیں، بلکہ صرف نماز میں ہونا بھی کافی نہیں، جب تک بالغ نہ ہو، یعنی لڑکے کا وضوء نہیں ٹوٹے گا، پھر نماز بھی رکوع وسجود والی ہو، یعنی نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت نہ ہو۔

اس کی وجہ حنفیہ یہی لکھتے ہیں کہ قہقہہ کے ساتھ وضوء ٹوٹنے کی حدیث خلاف قیاس ہے تو وہ اسی محل میں بند رہے گی جس محل میں وارد ہوئی ہے۔ اور وہ محل رکوع وسجدہ والی نماز ہے، جس کا پڑھنے والا بالغ ہو۔

میت کا سننا خلاف قیاس ہے

جب یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ جو بات خلاف قیاس ہو وہ مورد سماع مین بند رہے گی تو اب دیکھنا چاہئیے کہ مُردے کا سُننا موافق قیاس ہے یا مخالف، ظاہر ہے کہ یہ مخالف قیاس ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں، کہ جو مستغرق (یعنی گہری) نیند سو جائے وہ نہیں سنتا حالانکہ روح اندر موجود ہوتی ہے، تو مردہ کس طرح سن سکتا ہے، اگر مان لیا جائے کہ روح کو بدن

کے ساتھ کچھ تعلق رہتا ہےتو بھی مردے کا سماع خلاف قیاس ہے۔اور عقل اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہے اور اس بات میں مولوی پھلواری صاحب بھی ہمارے ساتھ متفق ہیں، چنانچہ اگلی عبارتوں میں ذکر آئے گا، انشاء اللہ، اور واقعہ بدر میں صحابہ کا یہ کہنا کہ کیا آپ ایسے لوگوں کو خطاب کرتے ہیں جو مُردار ہو چکے، یہ بھی خلاف قیاس ہونے کی دلیل ہے۔

پس اب اصولی قاعدہ کے موافق اصل مسئلہ وہی ہے جو حضرت عائشہؓ نے قرآن مجید سی سمجھا ہے اور جو فقہاء نے بیان کیا ہے، اور جن احادیث میں سماع کا ذکر آیا ہے، وہ اپنے اپنے محل پر بند رہیں گی، مثلاً اگر کسی صحیح حدیث میں آیا ہو، کہ مُردے سلام سنتے ہیں یا جواب دیتے ہیں، تو بیشک سلام کا سننا یا جواب دینا ثابت ہو جائے گا نہ تمام باتوں کا، خواہ وہ سلام سن کر جواب دیتے ہوں یا فرشتے ان کو پہنچا(۱) دیتے ہوں، جیسے ابھی رسول اللہ ﷺ کی بابت ایھا النبی کی تحقیق میں آتا ہے۔

---

(۱) وضاحت: چونکہ سلام کی صحیح حدیث ہماری نظر سے نہیں گذری اس لئے اس میں تردد ظاہر کیا ہے، ہاں اہلقبور کو سلام کہنے کی صحیح حدیث موجود ہے، خواہ وہ سنتے ہوں خواہ فرشتے پہنچاتے ہوں، ہم کو جس محل میں کہنے کا حکم ہے، ہم اس کے عامل ہیں آگے خدا کے سپرد، ہاں ص ۱۱ میں بحوالہ کتاب الروح جو حدیث گذری ہے اس کی بابت کچھ صحت کا خیال ہے کیونکہ تفسیر ابن کثیر میں زیر آیہ کریمہ **فانک لاتسمع الموتی** سے ابن عبدالبر سے اس کی صحت ذکر کی ہے، مگر اس میں یہ ذکر ہے کہ دنیا میں اس کو پہچانتا ہو۔ تو اب معلوم نہیں کہ جس کو وہ نہ پہچانتا ہو اس کے سلام کے جواب کے لئے روح لوٹائی جاتی ہے یا نہیں؟ پھر اس حدیث میں یہ ذکر نہیں۔ کہ روح کس وقت لوٹائی جاتی ہے سلام سے پہلے یا بعد، اگر بعد لوٹائی جاتی ہے تو سلام کا سننا ثابت نہ ہوا شاید فرشتے پہنچاتے ہوں، بلکہ جواب کے لئے روح لوٹانے سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ میت سلام نہیں سنتی کیونکہ اگر سلام سنتی تو جواب کیلئے روح لوٹانے کی کیا ضرورت تھی پس یہ عدم سماع موتی کی دلیل ہوئی نہ سماع موتی کی۔ فافہم ۱۲۔

اسی طرح مسند دارمی جلد اول صفحہ ۵۷ **باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ بعد موتہ** میں روایت ہے کہ (سنہ ۶۳ ھ میں) جب یزید کے لشکر نے مدینہ پر چڑھائی کی تو تین روز مسجد نبویؐ میں اذان نہیں ہوئی سعید بن مسیب تین روز مسجد ہی میں رہے جب نماز کا وقت ہوتا تو قبر نبویؐ سے آواز سنتے اور اس سے وقت پہچانتے اور نماز پڑھتے، اس میں شبہ ہے کہ یہ آواز رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تھی یا فرشتہ کی طرف سے تھی یا خدا نے ویسے ہی ہوا میں پیدا کر دی، کیونکہ خدا جدھر سے چاہے پیدا کر دے خواہ قبر کی طرف سے یا کسی اور طرف سے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ صحت کی صورت میں یہ سعید بن مسیب کی کرامت ہے، جو خرق عادت ہے، اسی طرح کسی اور بزرگ کا کوئی واقعہ ثابت ہو جائے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی قبر سے آواز سنی تو یہ بھی اس کی کرامت ہوگی جو خرق عادت ہے اور خرق عادت اپنے محل بند پر رہتے ہیں۔

اسی طرح واقعہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کی آواز اللہ تعالیٰ نے کافروں تک پہنچادی، اسی طرح جب لوگ مُردے کو دفن کر کے واپس ہوتے ہیں، تو ان کی جوتیوں کی آواز مردہ سنتا ہے، جیسے مسلم کی حدیث ابھی گذری ہے اور اس وقت اس میں روح لوٹائی جاتی ہے، غرض جس جس محل میں یہ احادیث وارد ہوئی ہیں،

اسی محل میں اعتقاد رکھنا چاہیئے ان سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے کہ وہ ہر وقت ہماری ہر قسم کی بات چیت یا ہر طرح کی درخواست سنتے ہیں، چہ جائیکہ وہ عمل پیرا ہوں۔

شبہ: شاید کسی کے دل میں خیال گذرے کہ جب سلام و درود کے پہنچانے پر فرشتے مقرر ہیں تو پھر **الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللہ** بھی جائز ہوا حالانکہ اہلحدیث اسے ناجائز کہتے ہیں، اگرچہ اہل بدعت رسول اللہ کو حاضر ناظر جان کر پڑھتے ہیں، مگر کوئی اس نیت سے پڑھے کہ فرشتے پہنچادیتے ہیں، تو اس نیت سے جائز ہونا چاہیئے، مطلقاً منع

کرنے کی کوئی وجہ نہیں، جواب اس کا یہ ہے کہ شبہ والے الفاظ بولنے سے نہی آئی ہے، یہود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتے اور کوئی بات پوچھتے اور کہتے رَاعِنَا یعنی اے محمد! ہماری طرف توجہ کیجئے! اور یہ بات سمجھا دیجئے، لیکن دل میں مراد رکھتے کہ تو ہمارا بیوقوف ہے کیونکہ راعنا کے معنی بیوقوف کے بھی آتے ہیں، پھر آپس میں بیٹھ کر ہنستے کہ ہم محمد ﷺ کو گالیاں دیتے ہیں، اور اس کو پتہ نہیں لگتا، مسلمان بھی کوئی بات پوچھتے تو یہی کلمہ راعنا کہتے، مگر وہ ظاہر، باطن پہلا معنی (توجہ کیجئے اور یہ مسئلہ سمجھا دیجئے) مراد رکھتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے نہی کردی اور فرمایا **لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا** یعنی اے ایمان والو! راعنا نہ کہو، **انظرنا** کہو، انظرنا کے معنی بھی وہی توجہ کے ہیں مگر اس میں دوسرے معنی کا شبہ نہیں، اسی طرح حدیث میں ہے کہ جو لوگ **مُطِرْنَا بنؤ کذا** (یعنی ہم پر فلاں ستارے سے بارش ہوئی) کہتے ہیں وہ کافر ہیں سندیؒ ابن ماجہ کے حاشیہ میں اس حدیث پر لکھتے ہیں، جو لوگ ستارے کو مؤثر (تاثیر کرنیوالا) سمجھتے ہیں وہ تو بیشک کافر ہیں، اور اگر اس خیال سے کہے کہ ستارے خدا تعالیٰ نے بارش کی علامت مقرر کئے ہیں جب فلاں ستارہ فلاں جگہ پر پہنچتا ہے تو بارش ہوتی ہے تو یہ مطلب اگرچہ صحیح ہے، لیکن پھر بھی گمراہی ہے کیونکہ لفظ شبہ والا ہے، اور درالمختار میں ہے کہ **بحق رسلك** وغیرہ کہنا مکروہ ہے کیونکہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں، اور ردالمختار میں اس پر لکھا ہے۔

مجرد ایهام اللفظ مالا یجوز کاف فی المنع کما قدمناه فلایعارض خبر الاحاد ولذا والله اعلم اطلق ائمتنا المنع.

یعنی لفظ سے ناجائز کا وہم ہونا یہ منع کے لئے کافی ہے، چنانچہ پہلے گذر چکا ہے، پس خبر احاد سے (جس میں عارضی حق کا ذکر ہے) معارض نہیں ہوگا، اسی وجہ سے واللہ اعلم ہمارے اماموں نے بحق رسلك وغیرہ کے ساتھ سوال کرنا مطلقاً منع کر دیا، خواہ نیت صحیح ہی ہو

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جو لوگ **الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللہ الصلوٰۃ والسلام علیك یا حبیب اللہ** وغیرہ سلام درود پڑھتے ہیں وہ بُرا کرتے ہیں اگر رسول اللہ ﷺ کو حاضر ناظر جان کر پڑھتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ بُرا ہے، اور اگر حاضر ناظر جان کر نہیں پڑھتے بلکہ اس نیت سے پڑھتے ہیں کہ فرشتے پہنچا دیتے ہیں (یا تصور قلبی ہوتا ہے جو بناوٹ ہے) تو بھی بُرا ہے کیونکہ جو حاضر ناظر جان کر پڑھتے ہیں، ان سے مشابہت ہے اور توحید کا مسئلہ ایسا نازک ہے کہ اس میں اشتباہ شرک بھی منع ہیں جیسے گھروں میں تصویریں رکھنی منع ہیں تاکہ بُت پوجنے والوں سے مشابہت لازم نہ آئے، اور قبرستان میں نماز منع ہے تاکہ قبروں کے پوجنے والوں سے مشابہت لازم نہ آئے۔ اور شبہ والے الفاظ سے بھی منع کر دیا ہے جیسے **راعنا** اور **مطرنا بنؤ کذا** ر با تشہد (التحیات) میں جو **السلام علیك ایھا النبی** کہا جاتا ہے تو اس میں یہ نیت کرنی کہ فرشتے پہنچا دیتے ہیں صحیح ہے کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا سکھلایا ہوا ہے، کسی غیر کا ایجاد کردہ نہیں کہ ان سے مشابہت لازم آئے اور یہ خطاب اس قسم کا ہے جیسے ہم اپنے دوست کو خط لکھتے ہیں، تو اس خیال سے ندا اور خطاب کرتے ہیں کہ ڈاکیہ اس کو پہنچا دیگا، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے لئے فرشتے مقرر ہیں، چنانچہ مشکوۃ **باب الصلوٰۃ علی النبی** میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے کئی فرشتے سیاح ہیں، جو میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں، نیز مشکوۃ کے اسی باب میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے **لاتجعلوا قبری عیدا وصلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم** یعنی میری قبر کو (سلام یا درود کی خاطر) عید (میلہ) نہ بناؤ اور مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے جہاں تم ہو۔ (۱)

حاشیہ نمبر 1: اس کی زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو ہمارا رسالہ وسیلہ بزرگان ملاحظہ ہو۔

اور مؤطا امام مالک میں عبداللہ بن عمرؓ سے تشہد (التحیات) نقل کیا ہے اس میں السلام علی النبی ہے اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ عطاء کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی حیات میں **السلام** عليك **ايها النبى** کہتے تھے اور جب فوت ہو گئے تو **السلام على النبى** کہنے لگے، پھر لکھا ہے **واسناده صحيح** اسناد اس کی صحیح ہے، اسی طرح زرقانی شرح مؤطا میں ہے، اور بخاری میں حدیث ہے، عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد **السلام على النبى** کہتے تھے یعنی خطاب نہیں کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں جب ان کو کسی دوسری جگہ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوتا جہاں رسول اللہ ﷺ موجود نہ ہوتے تو اس وقت بھی **على النبى** کہتے، کیونکہ جب وفات کے بعد **على النبى** کہنے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ غائب ہیں اور سنتے نہیں، تو وفات سے پہلے جب کسی دوسری جگہ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوتا، اس وقت بھی یہ وجہ موجود ہے، پس ثابت ہوا کہ آپ کی حیات میں بھی وہ **على النبى** کہتے تھے، مگر چونکہ آپ کی حیات میں کبھی علی النبی کہنے کا اتفاق ہوتا کبھی نہ ہوتا اور وفات کے بعد ہمیشہ علی النبی کہتے اسلئے راوی نے صرف وفات کے بعد کا ذکر کیا، اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں بھی یہ فعل ہوتا تھا تو یہ مرفوع حدیث بن گئی، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتا تو اپنے رسول ﷺ پر وحی نازل فرما کر صحابہ کو روک دیتا اور ایسے فعل کو مرفوع حدیث کہنا ہمارا ہی خیال نہیں، بلکہ اصول حدیث میں بھی یونہی لکھا ہے، اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ایسے فعل کو مرفوع حدیث سمجھتے تھے (ملاحظہ ہو شرح نخبہ) اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کو حاضر ناظر نہیں جانتے تھے نہ وفات سے پہلے نہ بعد اور جو صحابہ **السلام** عليك **ايهـا النبى** کہتے ان کی وجہ پہلے گذر چکی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے سلام پہنچانے پر فرشتے مقرر ہیں، اور چونکہ یہ روایت

(فرشتوں کے سلام پہنچانے کی) عبداللہ بن مسعودؓ کی ہے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک **السلام** علیك **ایها النبی** بھی جائز ہے، لیکن **السلام علی النبی** میں شبہ نہیں پڑتا اور **السلام** علیك **ایها النبی** میں غائب کی نداء کا شبہ پڑتا ہے پھر جواب دینا پڑتا ہے، کہ فرشتے پہنچادیتے ہیں، اس لئے عمل انکا **علی النبی** پر ہی رہا تا کہ عوام کو سوال وجواب کی تکلیف میں نہ ڈالیں، اور جو صحابہ **السلام** علیك **ایها النبی** کہتے رہے انہوں نے اس تکلیف کی پرواہ نہیں کی اور ایک روایت ضعیف عبداللہ بن مسعودؓ سے **السلام** علیك **ایها النبی** کی بھی آئی ہے، چنانچہ اس کا ذکر آگے آتا ہے، اور **السلام** علیك **ایها النبی** کے جواز کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ حکایت کے طور پر ہے جیسے نماز میں سورۃ فاتحہ باوجود دعاء کے کلام الٰہی سمجھ کر پڑھی جاتی ہے، اور پناہ کیلئے سوتے وقت رسول اللہ ﷺ نے سورہ **قل ھو اللہ** اور **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** پڑھکر بدن پر دم کرنے کا ارشاد فرمایا ہے حالانکہ کلمہ قل اس محل میں مناسب نہیں، کیونکہ کلمہ قل کے ساتھ معنی یہ ہیں، کہ کہہ میں پناہ چاہتا ہوں، اور اس محل میں دوسرے کو پناہ حکم دینا مقصود نہیں بلکہ اپنے لئے پناہ چاہتا ہے، تو کلمہ قل چھوڑ کر صرف اعوذ کہنا چاہیئے جس کے معنی ہیں، میں پناہ چاہتا ہوں، اسی طرح **قل ھو اللہ** میں کلمہ قل چھوڑ کر **ھو اللہ احد** کہنا چاہیئے کیونکہ اس محل میں خود الہ کی تعریف کرر ہاہے نہ یہ کہ دوسرے کو کہہ رہا ہے کہ تو اللہ کے تعریف کر، مگر چونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود اسی طرح فرمایا ہے اس لئے اسی طرح پڑھی جاتی ہے، ٹھیک اسی طرح التحیات کو سمجھ لینا چاہیئے، اور بعض احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے، چنانچہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں ملاعلی قاری حنفی ابن الملک سے نقل کرتے ہیں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو...... جب معراج ہوا تو آپؐ نے اللہ کی ثناء کرتے ہوئے فرمایا۔ **التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات** تو اللہ کی طرف سے جواب ملا **السلام** علیك **ایها النبی**

ورحمة الله وبركاته اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین پھر جبریل علیہ السلام نے فرمایا: اشهد ان لااله الاالله واشهد ان محمدا عبده ورسوله اسی طرح کبیری شرح منیۃ المصلی میں ہے، اور مشکوۃ باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ میں ہے کعب بن عجرہ سے روایت ہے۔

سألنا رسول الله ﷺ فقلنا یارسول الله کیف الصلوة علیکم اهل البیت فان الله قد علمنا کیف نسلم علیك قال قولوا اللهم صل علی محمد وعلی ال محمد.

یعنی، ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہم اپ اور اہل بیت پر درود کس طرح بھیجیں، سلام بھیجنا، تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھلا دیا ہے، فرمایا، اللهم صلی علی محمد الحدیث۔ (پس نماز کا درود سکھلا دیا)

اس حدیث میں جو کہا ہے کہ سلام تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھلا دیا ہے اس سے بھی نکلتا ہے کہ آپ پر السلام علیك ایها النبی پہلے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔

کسی امر کو عبارت قرار دینا شارع کا کام ہے

اور مسک الختام شرح بلوغ المرام میں ہے کہ التحیات میں السلام علیک ایھا النبی خطاب کے ساتھ کہنے کہ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات میں رسول اللہ ﷺ کو انہی لفظوں سے سلام کہا ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے امت کو سکھانے کے وقت ان ہی الفاظ کو قائم رکھا تا کہ معراج کی یادگار قائم رہے اور ایسا بہت دفعہ ہوتا ہے دیکھئے! صفا ومروہ کی درمیان دوڑنا مائی ہاجرہ کی یادگار ہے، وہ پانی کی تلاش میں دوڑی تھیں، اسی طرح جمروں کو مارنا یہ ابراھیم علیہ السلام کی یادگار ہے جمروں کے پاس شیطان ان کے لئے ظاہر ہوا تو انہوں نے شیطان کو سات سات کنکر مارے چنانچہ تفسیر ابن کثیر اور معالم التنزیل

وغیرہ میں لکھا ہے، اسی طرح حج عمرہ کے طواف میں رمل کرنا یعنی کندھے ہلا کر طاقت سے ساتھ چلنا یہ عمرۃ القضاء کی یادگار ہے۔ صحابہؓ نے کافروں پر اپنا رعب جمانے کیلئے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے ایسا کیا تھا، کیا تھا، چنانچہ بخاری وغیرہ میں ہے، سو ان کی یہ یادگار اب تک قائم ہے، کہ طواف میں رمل کیا جاتا ہے مگر یادگار کیلئے یا ویسے کسی امر کو عبادت قرار دینا یہ شارع کا کام ہے، بندے کا اس میں کوئی دخل نہیں آپ خیال نہیں کرتے کہ پہلے التحیات میں اگر کوئی درود کا کوئی کلمہ پڑھ لے تو کتب فقہ میں اس پر سجدہ سہو لکھا ہے، ملاحظہ ہو منیۃ المصلی وغیرہ، بتلایئے یہ کیوں؟ اسلئے کہ شارع نے پہلے التحیات میں درود کو عبادت قرار نہیں دیا، ٹھیک اسی طرح شارع کی ہر ایک بات کو سمجھ لینا چاہئیے، کہ اس میں بندے کا کوئی دخل نہیں، پس **السلام علیك ایها النبی** بھی چونکہ شارع علیہ السلام کی تعلیم ہے تو اس کو یادگار کے لئے قائم رکھنا ٹھیک ہے۔

مشکوۃ باب التشہد میں عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں التحیات اس طرح سکھاتے جیسے قرآن مجید کی سورۃ سکھلاتے، دیکھئے! التحیات کو قرآن کے ساتھ مشابہت دی ہے، اور قرآن اسی طرح پڑھا جاتا ہے جیسے اترا ہے، اسلئے زیادہ عمل اسی پر رہا اور اسی پر ہے کہ اہل اسلام **السلام علیك ایها النبی** کہتے ہیں، چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ نے منبر پر لوگوں کو **السلام علیك ایها النبی** سکھایا، اسی طرح عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی منبر پر **السلام علیك ایها النبی** سکھلایا، ملاحظہ ہو مؤطا امام مالک و مؤطا امام محمد و شرح معانی الآثار للطحاوی اور ظاہر ہے کہ ایسے موقعہ پر کتنے صحابہ کا مجمع ہوگا، اور حضرت عائشہؓ بھی **السلام علیك ایها النبی** کہتی تھیں چنانچہ مؤطا امام مالک میں ہے، اور عبداللہ بن عمرؓ سے دونوں طرح ہے، ملاحظہ ہو مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد، اور ایک ضعیف روایت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی **السلام علیك ایها النبی** کی آئی ہے۔

ملاحظہ ہو، فتح الباری اور اسی ضعیف روایت میں عبداللہ بن عباسؓ سے **السلام علی النبی** ہے، اور طحاوی میں ہے کہ عطاءؒ کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے مثل اس کے سنا ہے جیسے عبداللہ بن زبیرؓ سے سنا اور عبداللہ بن زبیرؓ نے لوگوں کو **السلام** علیك **ایھا النبی** سکھلایا چنانچہ اوپر ابھی گذرا ہے، مگر چونکہ عین قرآن نہیں مشابہ قرآن ہے اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے **السلام علی النبی** بھی جائز سمجھا آپ کی حیات میں بھی اور بعد وفات بھی چنانچہ اوپر تفصیل ہو چکی ہے، لیکن یہ تمام گفتگو اس بنا پر ہے کہ **ایھا النبی** نداء کیلئے ہو اور اگر نداء کیلئے نہ ہو بلکہ تخصیص کیلئے ہو یعنی اس طرح معنی ہوں کہ انبیاء کے درمیان سے نبی ﷺ پر خصوصیت کے ساتھ سلام ہو تو پھر غائب کی نداء کا جو اعتراض پڑتا تھا اس کی جڑ ہی کٹ گئی اور اتنی لمبی چوڑی گفتگو کی ضرورت ہی نہ رہی ہاں اعتراض پڑے گا کہ جب **ایھا النبی** یہاں تخصیص کیلئے ہو، نداء کیلئے نہ ہو، تو بعض صحابہؓ کا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد علی النبی کہنا اس کی کیا وجہ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ کلمہ اور جگہ نداء کیلئے بھی آتا ہے تو شبہ نداء کی وجہ سے زیادہ احتیاط کر کے علی النبی کہتے نہ یہ کہ یہاں نداء کیلئے ہے، بلکہ یہاں تخصیص کیلئے ہے، اور کلمہ ایُّھا تخصیص [1] کیلئے آتا ہے۔

الصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ کہنا جائز نہیں

یہ وجوہات **السلام علیك ایھا النبی** کے اور **السلام علی النبی** کے جواز کے ہیں، **الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللہ** وغیرہ کسی صورت جائز نہیں، اگر حاضر

حاشیہ نمبر 1: تلخیص المفتاح انشاء کی بحث میں ہے **والاختصاص فی قولھم انا افعل کذا ایھا الرجل ای مختصامن بین الرجال ص ۳۱** یعنی میں اس طرح کرتا ہوں لوگوں کے درمیان سے خصوصیت کے ساتھ۔

و ناظر جان کر کہے تو شرک ہے، اگر اس نیت سے کہے کہ فرشتے پہنچا دیتے ہیں، تو حاضر و ناظر جاننے والوں سے مشابہت ہے، اور شباہ شرک کے ہی معنی ہیں اور شبہ والے الفاظ بھی منع ہیں، چنانچہ اوپر تفصیل ہو چکی ہے، اور حدیث میں ہے **من تشبہ بقوم فھو منھم** یعنی جو شخص کسی قوم سے مشابہت کرے وہ ان سے ہے، اس کی علاوہ جسطرح یہ لوگ نمازوں کے بعد بلند آواز سے پڑھتے ہیں، اور مجمع میں پڑھتے ہیں، اس مقرر کردہ کیفیت سے نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے نہ سلف سے، تو اس بناء پر یہ بدعت بھی ہے ہمیں تعجب ہے کہ یہ لوگ نئے کام کیوں کرتے ہیں کیا ان کو رسول اللہ ﷺ اور سلف کا طریقہ پسند نہیں! کیا انہوں نے کبھی ایسا سلام و درود پڑھا؟ ہرگز نہیں، اور اس تفصیل سے یا رسول اللہؐ اور یا محمد کہنے کا حال بھی معلوم ہو گیا، کہ یہ جائز نہیں اگر حاضر و ناظر جان کر کہے تو شرک ہے، اگر ویسے کہے تو ان سے مشابہت اور شبہے والا کلمہ ہے پھر یہ بدعت بھی ہے کیونکہ صرف یا رسول اللہ اور یا محمد ثابت نہیں بلکہ یہ پورا کلام بھی نہیں، اگر اس کے آگے پیچھے کچھ اور لگا کر پورا کلمہ بنائیں تو اس محل کو دیکھا جائے، اگر رسول اللہ ﷺ یا سلف سے ثابت ہے تو جائز ورنہ ناجائز بہر صورت دین کے بارے میں سلف سے سند لینی چاہیئے محض اپنے قیاس سے کچھ نہ کرنا چاہیئے، اللہ تعالیٰ سب بھائیوں کو ان ہی کے طریق پر چلائے اور اسی پر خاتمہ کرے آمین،

سماع موتی پر دلکش تقریر

پھلواری: اس موقعہ پر میں ایک تقریر دلپذیر حضرت قبلہ عالم جناب والد ماجد صاحب قبلہ و کعبہ دامت برکاتہ کی سماع موتی پر پیش کرتا ہوں، جو حضرت قبلہ نے بمقابلہ جماعت اہلحدیث فرمائی ہے آپ غور فرمائیں کہ یہ تقریر کس قدر حقانیت سے مملو اور نفس مسئلہ پر کس قدر صفائی اور وضاحت سے روشنی ڈالتے ہوئے اختلاف کو مٹا کر امر حق ظاہر کرتی ہے، اس

تقریر کی بناء پر نہ آیات قرآنیہ کی تاویل کرنی پڑتی ہے، اور نہ احادیث صحیحیہ سے انکار لازم آتا ہے، اور نہ فقہاء کے مسئلہ کی تغلیط ہوتی ہے، سب باتیں اپنی جگہ پر رہتی ہیں، اور ساتھ اس کے منکرین سماع اموات اور قائلین کے مابین دراصل کوئی جھگڑا باقی نہیں رہتا مگر تعصب ونفسانیت کا خدا بُرا کرے، کہ یہ حق شناسی سے انسان کو باز رکھتی ہے وہ تقریر مختصر لفظوں میں حسب ذیل ہے۔ کان کے ثقبہ مجوفہ میں تموّج ہوا کے ذریعہ سے کسی صدا کے جا کر ٹھکرانے سے قوائے دماغی کو جو حس پیدا ہوتا ہے، اسی کو سماع کہتے ہیں مرنے کے بعد جب حیات بدنی فنا ہوگئی، تو اسی کے ساتھ سمع بصر ذوق لمس شموم سب قوتیں بھی باطل اور معطل ہو جاتی ہیں پس قرآن مجید میں جو انک **لاتسمع الموتیٰ** فرمایا گیا ہے وہ اپنی جگہ بہت درست ہے، کیونکہ سماع کا تعلق قوائے جسمانی سے ہے، اور سارے قوائے جسمانیہ مرنے کے بعد فنا ہو جاتے ہیں، اب نہ تو قوتِ سامعہ باقی ہے نہ تموّج ہوا کے ذریعہ قرع سماع (صوراخ کان میں ٹھکراؤ) ہوسکتا ہے نہ قوائے دماغی کو اس کا کوئی احساس ہوتا ہے، بلکہ عموماً قبر میں سارے جسم کی ساتھ تمام قوائے جسمانیہ کے محل میں بھی سڑ گل کر چھٹی ہو جاتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ مُردوں کے لئے اب یہ سماع کیونکر ثابت ہوسکتا ہے اسی لئے کہا گیا کہ تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے، اور تمہاری آواز مُردوں کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی اور یہ منکرین بالکل ان ہی کی مانند ہیں کہ حق بات اپنے کانوں کے اندر جانے ہی نہیں دیتے، گویا انہوں نے ان قویٰ کو باطل کر رکھا ہے، مگر واضح رہے کہ روح جو زندہ اور باقی چیز ہے اور جسم سے علیحدہ ہونے کی بعد بھی اس پر فنا طاری نہیں ہوتی، اس کی زندگی کے ساتھ اس کے قوائے خاصہ بھی زندہ و باقی رہتے ہیں، پس مُردوں کو مرنے کے بعد روحانی طور پر احساس وادراک اور روحانی علم وشعور یقیناً قطعاً باقی رہتا ہے، سماع جسمانی کے عدم تحقیق سے روحانی ادراک وشعور کا عدم ہرگز نہیں ہوسکتا، بلکہ روح علائق جسمانی سے آزاد ہونے

پر اور زیادہ دراک وحساس ہو جاتی ہے، پس صحیح و معتبر حدیثوں میں جو وارد ہے کہ مُردے سنتے ہیں، مُردے سلام کا جواب دیتے ہیں، مُردے پاؤں کی چاپ کی آواز محسوس کرتے ہیں، مُردوں کو ان کی قبروں پر چڑھنے اور روندنے سے ایذا ہوتی ہے، اور مُردوں کو زندوں کی طرف سے، دعاء واہداء وایصال ثواب سے خوشی ہوتی ہے وغیرہ ذلک بیشک یہ سب صحیح ہے، مگر سب سے مُراد وہی روحانی سماع یعنی ادراک روح اور علم وشعور روحانی اور روحی تکلیف والم وحسرت اور روحانی طور پر جواب وسلام مراد ہے، نہ جسمانی، تو اب آیت قرآنی اور ان احادیث نبویہ میں باہم کوئی مخالفت وتناقض ہرگز باقی نہ رہا۔ اور اس کا ثبوت کہ احادیث میں سماع موتی سے علم وشعور اموات مراد ہے، اور مُردوں کے اس روحانی ادراک وعلم وشعور کا کوئی بھی منکر نہیں ہے، یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت متعلق واقعہ قلبِ بدر میں قول حضرت ﷺ **مـاانتـم باسمع لما اقول منهم** (کہ یہ مُردے میری بات کو تم سے زیادہ سُن رہے ہیں) کی نسبت حضرت عائشہؓ نے اسی آیت انك **لاتسـمـع الموتیٰ** سے استدلال کر کے یوں فرمایا، کہ آنحضرت ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہوگا کہ **انهـم ليعـلـمون الآن** دیکھئے صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سمع کے لفظ کا انکار فرمایا مگر علوم وشعور کا انکار نہ فرمایا، بلکہ سماع کی بجائے علم کا لفظ بتلایا، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صدیقہؓ اس سماع سے انکاری ہیں، جس کا تعلق جسم سے ہے، (جو ثقبہ مجوفہ میں قرع (ٹھکراؤ) کے ذریعہ سے ہوتا ہے) نہ مطلق ادراک وشعور وعلم اموات سے جسکا تعلق حِس روحانی سے ہے، اور جو روح کے ساتھ ہمیشہ باقی ہے۔

فقہائے احناف اور سماع موتی

اور فقہائے حنفیہ کی طرف جو عدم سماع موتی کے قول کی نسبت کی جاتی ہے اس کا

تعلق بھی اسی سماع سے ہے جو عرفِ عام میں مفہوم ہوتا ہے، نہ اس روحانی سماع سے جس سے مراد علم وادراک ہے، فقہاء نے یمین کے مسئلہ میں لکھا ہے، کہ اگر کوئی شخص کسی سے کلام نہ کرنے کی قسم کھالے، اور مرنے کے بعد اس کی قبر جا کر کلام کرے تو حانث نہ ہوگا، کیونکہ مردہ سنتا نہیں، فقہاء عرف عام کو لیتے ہیں اور عُہود وایمان میں عرف عام ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ عرفاً مردہ سے تخاطب کرنے کو کلام کرنا اس شخص سے نہیں کہا جاتا، اور سمع سے مراد عرف میں وہی جسمانی سمع ہے، جو عموماً اموات میں مفقود ہوتی ہے، پس یہ مسئلہ فقیہ اپنی جگہ پر بہت صحیح ہے، مگر اس سے مسئلہ عدم سماع موتی پر استدلال صحیح نہیں ہوسکتا۔

جواب: مولوی پھلواری صاحب کوئی ٹھکانے کی بات نہیں کہتے، دیکھئے صفحہ ۳ میں انکی عبارت میں گذر چکا ہے، کہ وجہ شبہ (اموات اور کفار میں) وہی عدم اجابت ہے، یعنی مُردے اور کافر سنتے تو ہیں مگر قبول نہیں کرتے، اور یہاں کہتے ہیں کہ تمہاری آواز مُردوں کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی، اور یہ منکرین (یعنی کفار) بالکل ان ہی کی مانند ہیں، کہ حق بات اپنے کانوں کے اندر جانے نہیں دیتے گویا ان قویٰ کو باطل کر رکھا ہے، یہ عبارت بتلا رہی ہے کہ وجہ شبہ عدم سماع ہے۔

اسی طرح صفحہ ۱۰ میں ان کی عبارت میں گذر چکا ہے، کہ حدیثوں کی بلاوجہ تاویل کہیں اس کو معجزہ کہنا کہیں اس کو خصائص سے شمار کرنا یہ کون سے انصاف و دیانت کا اقتضاء ہے، اور خود اس تقریر میں کہتے ہیں کہ سب حدیثوں سے مراد (جو مُردوں کے سماع کے متعلق وارد ہوئی ہیں) روحانی سماع یعنی ادراک روح اور علم وشعور روحانی اور روحی تکلیف والم وحسرت اور روحانی طور پر جواب سلام مراد ہے۔

علم وشعور کی اقسام

خیال فرمائیں کہ تمام احادیث کی جو ان کے نزدیک سماع موتی پر دلالت کرتی ہیں، یک لخت تاویل کر ڈالی ہے کہ سمع سے مراد علم اور شعور ہے، اور وجہ اس کی یہ بیان کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے وقعہ بدر میں سماع کے لفظ کا انکار فرمایا ہے، مگر علم وشعور ہے، اور شعور کا انکار نہ فرمایا، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ علم وشعور دو طرح کا ہے۔

اول یہ کہ دنیا میں جو کچھ مُردوں کے خیالات تھے ان کی بابت ان کا مرنے کے بعد علم وشعور کہ وہ خیالات صحیح تھے یا غلط اس سے تو کسی کو انکار نہیں۔

دوم یہ کہ مردے کے ساتھ کوئی کلام کرے اس کلام کا مردے کو علم وشعور کہ اس وقت فلاں شخص مجھے یہ کہہ رہا ہے جیسے زندہ کو علم وشعور ہوتا ہے، خواہ روحانی ہو یا جسمانی یہ علم وشعور محل نزاع [1] ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے کلام **انھم الأن لیعلمون** میں پہلا ثابت کر رہی ہیں نہ دوسرا چنانچہ بخاری میں پورے یہ الفاظ ہیں۔

ماقال انھم لیسمعون ما اقول وانما قال انھم الان لیعلمون ان ماکنت اقول لھم حق ثم قرأت انك لاتسمع الموتیٰ وما انت بمسمع من فی القبور، یقول حین تبؤوا مقاعدھم من النار. بخاری جلد دوم ص۵۶۷ باب قتل ابی جھل.

---

(۱) وضاحت کرمانی شرح بخاری میں لکھتے ہیں (**مذھبنا ان اھل لاقبور یعلمون ماسمعوا قبل الموت ولایسمعون بعدالموت**. یعنی ہمارا مذہب یہ ہے کہ اہل قبور نے موت سے پہلے جو کچھ سنا تھا وہ جانتے ہیں، اور موت کے بعد نہیں سنتے۔

یعنی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں کہا کہ جو میں اب کہتا ہوں وہ کفار سنتے ہیں، بلکہ صرف یہ کہا ہے، کہ وہ کفار اس وقت جانتے ہیں، کہ جو کچھ میں ان کو (ان کی زندگی میں) کہتا تھا، حق ہے پھر یہ آیت پڑھی، **انك لاتسمع الموتیٰ** اور **وما انت بمسمع من فی القبور** یعنی جبکہ کفار نے (مرکر) آگ میں ٹھکانا کیا، (اس وقت انکو معلوم ہوگیا کہ جو کچھ نبی نے ہمیں کہا تھا، حق ہے) ناظرین خیال فرمائیں کہ مولوی پھلواری صاحب نے حضرت عائشہؓ کے مطلب کو کس طرح بگاڑا ہے، پھر اس بنا پر سب احادیث کی (جوان کے خیال میں سماع وموتی پر دلالت کرتی ہیں) تاویل کر ڈالی ہے، بتلائیے یہ تاویل باوجہ ہوئی یا بے وجہ ؟اسی کو کہتے ہیں شیشوں کا گھر بنا کر دوسروں پر پتھر پھینکنا۔

سمع اور ثقبہ مجوفہ

اس کے علاوہ سمع کو کان کے ثقبہ مجوفہ کے ساتھ خاص کرنا بالکل بے دلیل ہے، دیکھئے! فرشتے بھی سنتے ہیں، جن بھی سنتے ہیں، خدا بھی سمیع بصیر ہے، تو کیا ان سب کے لئے کان کا ثقبہ مجوفہ ثابت ہے، اگر ثابت ہے تو روح کیلئے کیا مانع ہے، پھر روح کے سمع کی تاویل آپ نے علم اور شعور کے ساتھ کیوں کی؟ ہاں اگر آپ ان سب کے سمیع بصیر ہونے سے انکار کر کے بلاوجہ علم کے ساتھ تاویل کرنے لگ جائیں یا کہیں کہ ان کے سمع کو بھی عرف میں سمع نہیں کہتے تو اس نسلم کا ہمارے پاس کیا جواب ہے، اگر آپ کان کے ثقبہ مجوفہ کے ساتھ انسانی کان کی قید لگادیں، اسی طرح بر اور دیگر قویٰ میں، تو کیا آپ کی زبان کو کسی نے روک لینا ہے، یا قلم کو پکڑ لینا ہے، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔ اور اصل بات وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں، کہ سماع موتی چونکہ خلاف قیاس ہے اس لئے مورد سماع پر بند رہے گا، خواہ بدن کے تعلق کہ وجہ سے ہو، یا روح کیلئے ثقبہ

مجوفہ ہو یا کوئی اور صورت ہو جب ہم روح کی حقیقت کو نہیں جانتے تو کیفیت کیا بیان کر سکتے ہیں، اس لئے ہمیں ظاہر قرآن وحدیث کی پابندی ضروری ہے، سو قرآن وحدیث میں عام طور پر تو کہیں ثابت نہیں ہوا کہ مُردے سنتے ہیں، اور یہ حدیث کہ مُردے سلام کا جواب دیتے ہیں، یا یہ حدیث کہ دفن سے واپسی کے وقت پاؤں کی آواز سنتے ہیں، ان کا جواب گذر چکا ہے، اور روندنے کی حدیث کا ذکر آگے آئیگا، انشاء اللہ رہا، دعا اور ایصال ثواب کا مسئلہ سو یہ مسلّم ہے مگر اس کو سماع موتی سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ جیسے زندہ کیلئے اس کی غیر حاضری میں دعاء کرے تو برابر اس کو فائدہ ہوتا ہے، خواہ معلوم ہو یا نہ، بلکہ اگر ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں ہو، تو بھی دعاء خالی نہیں جاتی، اسی طرح مُردے کیلئے دعاء اور ایصال ثواب کو سمجھ لینا چاہئیے اگر اللہ چاہے تو علم بھی ہو جاتا ہے، چنانچہ مشکوٰۃ باب الاستغفار میں حدیث ہے، کہ اللہ نیک بندے کا درجہ جنت میں بلند کرتا ہے، بندہ پوچھتا ہے کہ یا اللہ یہ درجہ کہاں سے بلند ہوا، اللہ فرماتا ہے تیری اولاد کے تیرے لئے استغفار کی وجہ سے۔

تعجب

دیکھئے! اگر سُنتے ہوں تو خدا سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے، ہمیں تعجب ہے کہ مولوی پھلواری صاحب حنفی ہوکر امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو خدا جانے کیوں ترک کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اس شخص کو جو نیکوں کی قبروں میں ان سے دعا چاہتا تھا، کس طرح ڈانتے ہیں، چنانچہ ص ۶ میں گذر چکا ہے، اور فقہاء نے قسم کی مسئلہ میں بھی تصریح کی ہے، کہ مُردے نہیں سنتے، لیکن مولوی پھلواری صاحب سب سے آنکھ بند کر کے اپنی دُھن میں لگے ہوئے ہیں، خدا ہدایت کرے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے، آمین ثم آمین۔

پھلواری: اب رہا توسل واستمداد کا مسئلہ اس کے متعلق بھی مختصراً کچھ ذیل میں عرض

کرتا ہوں۔ واضح ہو کہ جس طرح روح کی حیات اور بقاء کا مسئلہ فسلفۂ اسلام میں ثابت و مُحقّق ہے اسی طرح یہ بھی ثابت و مُسلَّم ہے، کہ روح کا ادراک وشعور قید جسم سے آزاد ہو جانے کے بعد بہت زیادہ ہو جاتا ہے، سعید روحیں نشاط اخروی میں بھی بہت کچھ ترقیات کرتی رہتی ہیں، اور نفوس قدسیہ جس طرح اس عالم میں مصدر فیوض و برکات ہوتی ہیں، اسی طرح اس عالم میں بھی ان کے روحانی فیضان و برکات وتصرفات کا سلسلہ بوجہ قوت وطاقت تصرف اور زیادہ ہو جانے کی بدرجہ اتم جاری رہتا ہے، یہ وہ مسئلہ ہے جس کو حکمائے اسلام اور محققین، متکلمین ومحدثین اکابردین بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں، حجۃ الاسلام امام غزالی، امام رازی، علامہ سعدالدین تفتازانی، علامہ سیدشریف جرجانی، امام ہمام قاضی بیضاوی، علامہ عبدالعلی بحرالعلوم وحجۃ الہند شاہ ولی اللہ محدث وغیرھم نے اپنی تحریروں میں اس مسئلہ کو دلائل وبراہین نقلیہ وعقلیہ سے ثابت کیا ہے اور روح کے عجائبات وتصرفات کا جو عالمِ برزخ میں اسے حاصل ہوتے ہیں صاف صاف اقرار کیا ہے۔

اور تفسیر بیضاوی جلد اول (مطبوعہ مصر ص ۸۸) کی عبارت مندرجہ ذیل بھی قابل غور ہے۔

وفیھا دلالۃ علی ان الارواح جواھر قائمۃ بانفسھا مغایرۃ لما یحس من البدن تبقی بعد الموت دراکۃ وعلیہ جمھور الصحابۃ والتابعین وبہ نطقت الایات والسنن.

(حیات شہدا والی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ روح ایک جوہر قائم بنفسہ ہے، جو حسِ بدنی اور اس کے حالات) کے مغائر ہے، وہ موت کے بعد بھی باقی رہتی اور درّاکہ ہو جاتی ہے، اور اسی مسلک پر جمہور صحابہ وتابعین ہیں، اور آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ اسی پر ناطق ہیں)۔

اس زمانہ کے اکثر مولوی قاصر النظر اور کتب درسیہ کے بہترے حواشی وغیرہ سے بھی بیخبر ہوتے ہیں، پھران سے کیا امید کی جائے کہ یہ روحی مسئلہ ان کی سمجھ میں آجائے، مولینا عبدالعلی بحرالعلوم نے میر زاہد رسالہ کے حاشیہ میں بہ بسط تمام اس مسئلہ کو لکھا ہے کاش، یہ لوگ اسی کو غور فکر سے دیکھتے اور امام بیضاوی کا یہ فرمانا کہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث سے مُبرھَن ومُدَلَّل ہے اور صحابہؓ وتابعین کا بھی یہی مسلک تھا، ان کیلئے تو نہایت تعجب خیز امر معلوم ہوتا ہوگا، اور مُتحیِّر ہوں گے کہ آیات وسنن میں کہاں اس کا ذکر ہے، مگر میں ان کو یاد دلاتا ہوں کہ عذاب قبر جو اہلسنت کے متفقہ اعتقادیات سے اور سوال نکیرین وتنعیم وتعذیب اہل قبور جس کی حدیثیں صحاح وسنن میں شائع وذائع اور قریب قریب متواترات سے ہیں اس مسئلہ کا دارومدار ارواح کے علم وادراک وشعور ہی کے ثبوت پر ہے ذرا عقل وشعور سے کام لے کر ان پر غور کرنا چاہیئے۔

جواب: صرف کی چھوٹی چھوٹی کتابوں صرف میر وغیرہ میں باب استفعال کی خاصیت میں لکھا ہے **استنوق الجمل** یعنی اونٹ اونٹنی بن گیا، جس کا قصہ یہ ہے، کہ ایک شاعر ایک بادشاہ کے پاس قصیدہ بنا کر لایا جس میں اونٹ کی صفت تھی، لیکن غلطی سے بعض صفات اونٹنی کی بھی ذکر کردیں، جب قصیدہ پڑھتا ہوا اس محل میں پہنچا تو ایک چھوٹی عمر کا نہایت شوخ چشم شاعر تمسخرانہ لہجہ میں کہتا ہے، **استنوق الجمل**، صاحب قصیدہ بیچارہ بجائے انعام وصول کرنے کے الٹا شرمسار ہوا۔ یہی حالت ہمارے پھلواری صاحب کی ہے کہ شروع کیا تھا توسل واستمداد کا مسئلہ لیکن پھر وہی ادراک وشعور کا ذکر کرنے لگ گئے، جس کو پہلی عبارتوں میں ذکر کرچکے ہیں، اصل میں توسل اور استمداد کے مسئلہ پر بیچاروں کو کوئی دلیل نہیں ملی اور ادراک وشعور کو اپنے زعم میں مدلل سمجھے ہوئے ہیں، اس لئے بار بار وہی یاد آتا ہے۔

مولوی پھلواری کی ترجمہ میں غلطی

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ اس میں بھی سیدھے نہیں چلے، قاضی بیضاوی کی عبارت نقل کی لیکن اس کا ترجمہ غلط کیا بتلایئے درّاکہ ہو جاتی ہے، کس لفظ کا ترجمہ ہے صحیح ترجمہ یہ ہے، باقی رہتی ہے درّاکہ، مولوی پھلواری صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ روح کا ادراک اور شعور بعد موت زیادہ ہو جاتا ہے، اس لئے انہوں نے ترجمہ غلط کیا تاکہ مدعا ثابت ہو جائے، اس کے علاوہ ادراک اور شعور دو طرح کا ہے، ایک یہ کہ دنیا میں جو کچھ خیالات رکھتے تھے، ان کی بابت مرنے کے بعد ادراک اور شعور کہ وہ صحیح تھے یا غلط تھے، اور ان کے مطابق جزا سزا کا بھگتنا، دوم یہ کہ ہم ان کو پکاریں یا ان سے گفتگو کریں، تو ان کو اس کا علم اور شعور کہ کوئی ہمیں پکار رہا ہے یا ہم سے گفتگو کر رہا ہے، ان دونوں قسموں سے پہلی میں تو کوئی نزاع نہیں، اور شہداء والی آیت سے یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس آیت میں ہے کہ شہداء اللہ کے پاس زندہ ہیں، اور وہاں ان کو رزق ملتا ہے، رہا دوسرا سو وہ متنازع فیہ ہے، اور شہداء والی آیت کو اس سے کچھ تعلق نہیں، اگر کہا جائے کہ پہلے سے دوسرا بھی ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ جب مُردے میں ادراک و شعور باقی رہتا ہے، خواہ اخروی باتوں کا ہو، تو پھر دنیوی باتوں کا کیوں ادراک و شعور نہ ہوگا، تو اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اس میں شبہ نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اخروی جزا سزا کا اعتقاد رکھتے تھے، اور جانتے تھے ...... کہ جو مر جاتا ہے اس پر مرتے ہی آخرت کے حالات کھل جاتے ہیں، تو پھر واقعہ بدر میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کیوں کہا کہ کیا آپ ایسی لوگوں کو خطاب کرتے ہیں جو مر دار ہو چکے ہیں؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کے حالات کا ادراک و شعور ہونے سے دنیوی ادراک و شعور ضروری نہیں، اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اپنے اس قول **انھم**

الاٰن لیعلمون میں صرف ایک (یعنی پہلے) کا ثابت کر رہی ہیں، چنانچہ صفحہ ۲۲ میں تفصیل ہو چکی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون.** یعنی جو مر جاتے ہیں ان سے درے پردہ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں گے، یہی وجہ ہے کہ ہم میں ادراک وشعور موجود ہے مگر ہم نہ قبر کے عذاب کو دیکھیں نہ دیگر حالات پر مطلع ہوں، بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ دیگر حیوانات جن کا ادراک وشعور انسان سے بہت کم ہے، ان کی بابت حدیث میں موجود ہے کہ مُردے کی آواز سُنتے ہیں، جب کہ قبر میں اس کے سَر پر گُرز پڑتی ہے، اور وہ چیختا ہے، مگر جن انسان کو پتہ نہیں لگتا، ہاں جب خرقِ عادت کے طور پر اللہ کوئی بات معلوم کرانی چاہے، تو معلوم کرا دیتا ہے، مگر جو بات خرق عادت ہوتی ہے، وہ اپنی محل پر بند رہتی ہے، چنانچہ صفحہ ۱۲ میں گذر چکا ہے، پس صحیح بات وہی ہے جو ہم کئی دفعہ عرض کر چکے ہیں۔ کہ مُردوں کو ہمارے حالات کی کچھ خبر نہیں، مگر جو اللہ معلوم کرانی چاہے اور جس کا ذکر قرآن وحدیث میں آ گیا اسی طرح ہمیں بھی مُردوں کے حالات سے اسی بات کا ادراک وشعور ہو سکتا ہے، جو اللہ چاھے کیونکہ عادۃً دونوں طرف سے سلسلہ منقطع ہے۔

مولوی پھلواری کا چالاکی

مولوی پھلواری صاحب کی چالاکی دیکھو کہ رُعب جمانے کے لئے بہت سے علماء کے نام لے دیئے لیکن جب ان کی عبارتوں کے نقل کرنے کا موقعہ آیا تو صرف قاضی بیضاوی کی عبارت نقل کر دی جس کو مدعا سے دُور کی بھی نسبت نہیں، پھر ترجمہ بھی غلط کر دیا، اور اخیر میں اپنی وسعتِ نظر کی بناء پر مولینا بحر العلوم کے حاشیہ کا حوالہ دیدیا، حالانکہ

اس میں بھی ادراک وشعور کی پہلی قسم مذکور ہے صرف اتنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نفوس قدسیہ کو مرنے کے بعد بھی معرفت الٰہی میں ترقی ہوتی رہتی ہے، اگر چہ اس پر انہوں نے کوئی دلیل نہیں دی، صرف ابن عربی کے ایک دو کشف ظاہر کئے ہیں، جو شرعی دلیل نہیں مگر چونکہ یہ ادراک وشعور بھی پہلی قسم میں داخل ہے اس لئے ہمیں یہاں بحث کرنے کی ضرورت نہیں، ہمیں تعجب آتا ہی کہ مولوی پھلواری صاحب جب خود کہہ چکے ہیں کہ **انك لاتسمع الموتیٰ** کا معنی یہ ہے کہ تم نہیں سُنا سکتے، اللہ کے سنانے کی نفی نہیں (چنانچہ صفحہ ۶ میں گذر چکا ہے) تو پھر معاملہ خدا کے سپرد کر کے یوں کیوں نہیں کہتے، کہ چونکہ یہ سنانا خرق عادت سے ہے اس لئے اپنے محل پر بند رہے گا کیونکہ زندوں کو ہم سنا سکتے ہیں، مُردوں کو ہم نہیں سُنا سکتے، تو اس کی وجہ یہی ہے کہ مُردوں کا سننا خرق عادت سے ہے پھر خدا جانے مولوی پھلواری صاحب کیوں فضول بحث کو طول دے رہے ہیں اللہ ان کو سمجھ دے اور ہدایت کا چراغ ان کی راہ میں رکھ دے، آمین

پھلواری: اور سنیئے! ہمیں تعلیم دی گئی کہ مقبرے میں جائیں اور اہل قبور سے تخاطب کے ساتھ یوں سلام وکلام کریں۔ (۱) **السلام علیکم یا اهل القبور، السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا انشاء الله بکم لاحقون انتم لنافرط ونحن لکم تبع اسأل الله لنا ولکم العافیه (رواه الامام مسلم فی صحیحه والترمذی والنسائی وابن ماجة وابوداؤد وغیرهم بالفاظ متقاربة حصن حصین ص ۱۵۴)**

ترجمہ: سلام ہوتم پر اے قبروں والو سلام ہوتم پر اے قوم مومنین کے گھر (یعنی قبرستان) ہم انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں تم ہم سے آگے آگئے اور ہم تمہارے پیچھے آئیں گے ہم اپنے لئے اور تمہارے لئے خدا سے عافیت مانگتے ہیں۔

کیا اگر اہل قبور کو علم وادراک وشعور نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں در ودیوار

سے تخاطب کرنے اور مٹی کے ڈھیر سے سلام وکلام کرنے اور فضول ولغو بکواس کرنے کی تعلیم فرمائی حاشاوکلا ، علامہ ابن قیم کتاب الرواح مطبوعہ دائرۃ المعارف صفحہ۵ میں فرماتے ہیں، آثار متواترہ سے ثابت ہے، اور سَلف کا اس پر اجماع ہے، کہ مُردے زائرین کو پہچانتے اوران کے آنے سے خوش ہوتے ہیں، اور امام سیوطیؒ لکھتے ہیں،

(۲) الاحادیث والاثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم به المزور وسمع کلامه وانس به ورد سلامه علیه. (شرح الصدور ص ۱۵۱)

ترجمہ: احادیث وآثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ زائر جب (قبر پر) آتا ہے تو مزدر (یعنی قبر والا) اس کو جان لیتا ہے اور اسکے کلام کو سنتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت حضرت عائشہ صدیقہؓ وحضرت ابو ہریرۃؓ وحضرت ابن عباسؓ وغیرھم سے متعدد روایات علامہ ابن ابی الدنیا کی کتاب القبور اور بیہقی کی شعب الایمان وغیرہ میں مروی ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے کسی مردہ بھائی کی قبر پر جاتا ہے تو وہ مُردہ اس کو پہچانتا ہے، اس کے آنے سے خوش ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ مامن رجل یزور قبر اخیه ویجلس عنده الا استانس به وردعلیه حتی یقوم.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی شخص اپنے کسی بھائی کی قبر کی زیارت کرجاتا ہے، اور قبر کے پاس بیٹھتا ہے تو جبتک وہ وہاں بیٹھا رہتا ہے مُردے کو اس سے اُنس وانبساط ہوتا رہتا ہے۔ دیکھو کتاب الروح صفحہ۵ وشرح الصدور للسیوطی صفحہ ۱۳۶ اوشفاء اسقام وغیرہ۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے اپنی موت کے وقت یہ وصیت کی کہ جب مجھے دفن کرچکو تو میری قبر کی آردگرد تھوڑی دیر تک سب کے سب کھڑے

رہنا تا کہ میں تم سے استناس (اُنس) حاصل کروں ان کے الفاظ صحیح مسلم کی روایت میں یہ ہیں کہ **ثم اقیموا حول قبری قدرما تنحر جزو رو یقسم لھا حتی استانس بکم** ابن قیم اس حدیث کو صحیح مسلم سے نقل کر کے لکھتے ہیں، کہ اس سے ثابت ہوا کہ میت کو اس کی قبر پر لوگوں کو حاضر ہونے سے اُنس وانبساط ہوتا ہے (کتاب الروح ص ۱۲)۔ مسلم جلد اول ص ۷۶ باب **کون الا سلام یھدم ماقبلہ۔**

پس اموات کی روحانی قوت ادراک وشعور کو دیکھو کہ زندگی میں اگر کسی کو ایک کوٹھری ہیں بند کر دیا جائے، جس کے تمام منافذ ہوا بند ومسدود ہوں تو غیر ممکن ہے کہ باہر کی آواز کا اس کو درک یا باہر کسی کے انے جانے کی خبر ہو سکے، مگر روح زائرین کی رفت وآمد کا حتیٰ کہ جوتیوں کی چاپ اور چلنے کی آواز تک کا اس کو بخوبی درک ہوتا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت ہے، **ان المیت یسمع خفق نعالھم** ۔میّت چلنے والوں کی جوتیوں کی آواز سنتی ہے) علی ہذا القیاس کوئی شخص تہ خانے کے اندر ہو تو اوپر سے نہ اُسے کوئی چھو سکتا ہے، نہ ایذا پہنچا سکتا ہے مگر یہی روح جب قبر کی منزل میں سوتی ہے۔تو قبر کے اوپر کسی کے ٹیک لگانے تکیہ کرنے اور بیٹھنے سے اسے ایذا ہوتی ہے، اسی لئے صادق مصدوق ﷺ نے ایسا کرنے سے ان لفظوں میں منع فرمایا، کہ **لا توذ صاحب ھذا القبر (رواہ الامام احمد فی مسندہ)** حتیٰ کہ مقبرہ میں جوتیوں سمیت چلنے پھرنے سے بھی منع فرمایا۔ **(سنن ابی داؤد جلد ۲ باب المشی بین القبور فی النعل ص ۱۰۴ مطبوعہ ھند)** شراح حدیث فرماتے ہیں، کہ ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قبروں کے ساتھ کوئی فعل ایسا جس سے استخفاف واہانت کا پہلو نکلے نہ کرنا چاہیئے کیونکہ مُردوں کو اس سے اَلَم (دکھ) ہوتا ہے، بلکہ قبور کا بلحاظ مراتب اہل قبور ادب واحترام لازم ہے۔

مسند امام احمدؒ کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اپنے حجرہ میں

حضور پر نور اور صدیق اکبرؓ کے مدفون ہونے کے بعد تک اپنی بے تکلفانہ حالت میں چلی جاتی تھی، اور سمجھتی تھی کہ یہ ہمارے حضور ہی ہیں، اور پدر بزرگوار ہیں (جو محرم ہیں) مگر جب امیر المؤمنین عمرؓ اس حجرہ میں دفن ہوئے تو اس دن سے میں احتیاط کرنے لگی اور ہمیشہ چادر اوڑھ کر پردہ دار حجرہ میں داخل ہونے لگی، **حیاء من عمر** یعنی میرا یہ حجاب بمقتضائے اس حیاء کے ہے جو مجھے عمرؓ سے بلحاظ ان کے غیر محرم ہونے کے ہونا چاہیئے،

(دیکھو مسند احمد مطبوعہ مصر جلد ٦ ص ٢٠٢)۔

حاکمؒ نے مستدرک میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے، اور مشکوٰۃ میں بھی یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔ اور اس کے حاشیہ پر لمعات کی عبارت درج ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں واضح دلیل ہے اس امر کی کہ زائر کو صاحب قبر کا وہ احترام کہ جس مرتبہ کا وہ ہو واجب ہے خصوصاً صالحین کی قبور کا ادب واحترام جس قدر ہو سکے لازم ہے۔

(مشکوٰۃ مطبوعہ نظامی ص ١٤٦)۔

اس روایت سے یہ بھی خوب روشن ہو گیا، کہ حضرت ام المؤمنین کی طرف جو عدم سماع موتی کے قول کی نسبت کی جاتی ہے، وہ کہاں تک اور کن معنوں میں صحیح ہے، چنانچہ اس مقام پر ایک اور روایت بھی پیش کرتا ہوں، جس سے حضرت صدیقہؓ کے مسلک پر اور بھی روشنی پڑتی ہے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ برادر ام المؤمنین عائشہؓ نے مکہ معظمہ کے قریب ایک گاؤں میں انتقال کیا اور مکہ میں مدفون ہوئے، جب حضرت صدیقہؓ مکہ معظمہ آئیں تو بھائی کی قبر پر تشریف لائیں، اور سلام ماثور کے بعد ان کو مخاطب کر کے دو شعر پڑھے، پھر فرمایا کہ بھائی اگر میں تمہارے پاس علالت کے وقت موجود ہوتی تو تم وہیں مدفون ہوتے جہاں تم نے انتقال کیا تھا، اور اگر میں اس وقت تمہارے پاس حاضر ہوتی تو اس وقت خاصکر تمہاری زیارت کو آنے کی ہمیں ضرورت نہ تھی، (دیکھو جامع ترمذی کتاب الجنائز جلد ١ ص ١٣١)۔

غور کرو! اگر صدیقہؓ سماع اموات کی برأسہ (بالکلیہ) منکر ہوتیں، اور علم و ادراک وشعور موتی کی قائل نہ ہوتیں تو حضرت عبدالرحمٰن کی قبر پر جاکر اس طرح تخاطب اور مثل زندوں سے کلام کرنے کے اسقدر کلام کیوں فرماتیں۔

حرف نداء سے خطاب کی تحقیق

جواب: اس میں بھی پھلواری صاحب نے بجائے توسل واستمداد کے سماع موتی کی بحث چھیڑ دی خیر: اب اس کا جواب سنئے:

مشکوٰۃ باب دخول مکہ میں متفق علیہ حدیث ہے کہ حضرت عمرؓ حجر اسود کو خطاب کرکے فرماتے ہیں، کہ میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان، اگر میں رسول اللہ ﷺ کو تیرا بوسہ لیتے نہ دیکھتا، تو تیرا کبھی بوسہ نہ لیتا۔ نیز مشکوٰۃ باب الدعوات میں حدیث ہے، آپ جب چاند دیکھتے تو یہ دعاء پڑھتے، **اللھم اھلہ علینا بالامن والایمان والسلامۃ والاسلام ربی وربك اللّٰہ.**

یعنی اے اللہ! اس کو امن اور ایمان اور سلامتی اور اسلام کا چاند کر (پھر چاند کو خطاب کرتے ہوئے کہتے) میرا رب اور تیرا رب اللہ ہے، نیز مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے جب آپ سفر کرتے اور رات آجاتی تو فرماتے: **یا ارض ربی وربك اللّٰہ اعوذ باللّٰہ من شرك وشرما فیك وشرما خلق فیك وشرما یدب علیك واعوذ باللّٰہ من اسد واسود من الحیۃ والعقرب ومن ساکن البلد ومن والد وما ولدہ.**

یعنی اے زمین! میرا اور تیرا رب اللہ ہے میں پناہ پکڑتا ہوں اللہ کے ساتھ تیرے شر سے، اور اُس شئے کی شر سے جو تجھ میں ہے، اور جو تجھ میں پیدا کی گئی ہے، اور جو تجھ پر چلتی ہے، اور پناہ پکڑتا ہوں، میں اللہ کے ساتھ شیر اور خاص سانپ اور عام سانپ اور

بچھو سے اور شہر کے رہنے والے سے اور جننے والے سے اور جو کچھ اس نے جنا ہے۔

مولوی پھلواری صاحب! بتلایئے! مٹی کے ڈھیر سے خطاب کوئی اس سے زیادہ عجیب ہے؟ پھر آپ کو اہل قبور کے خطاب پر عدم علم اور عدم شعور کی حالت میں تعجب کیوں ہوا؟ یہاں تک کہ اسکو فضول اور لغو بکواس بتلانے لگے کیا حضرت عمرؓ نے حجر اسود کو خطاب کرنے اور اس سے اتنی لمبی گفتگو کرنے میں معاذ اللہ فضول اور لغو بکواس کا ارتکاب کیا تھا؟ یا رسول اللہ ﷺ نے چاند اور زمین کو خطاب کرنے میں معاذ اللہ فضول اور لغو بکواس کی تعلیم دی ہے۔ انسان کو بات کرتے ہوئے دور اندیشی ضرور چاہیئے دیکھئے! یہ کتنی ڈبل غلطی ہے، اصل میں آپ سمجھے نہیں، خطاب کئی وجہ سے ہوتا ہے، کبھی پاس والے کو اشارۃً مسئلہ بتلانا مقصود ہوتا ہے جیسے حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی کو خطاب کر کے کہا کہ میں تمہارے پاس ہوتی تو تم وہیں دفن ہوتے اور میں تمہاری زیارت کو نہ آتی، اور حضرت عمرؓ کا حجر اسود کو خطاب کرنا بھی اسی قسم سے ہے اور کبھی توکل کا اظہار مقصود ہوتا ہے جیسے چاند اور زمین کی دعائیں ہیں اور کبھی حکایت کی حالت کی یادگار قائم رکھنے کے لئے خطاب کرتے ہیں، جیسے التحیات میں حکایت کے طور پر اور معراج کی یادگار کو قائم رکھنے کے لئے خطاب کرتے ہیں جیسے التحیات میں حکایت کے طور پر اور معراج کی یادگار کو قائم رکھنے کیلئے السلام علیک ایھا النبی کہتے ہیں چنانچہ ص ۱۷۔۱۸ میں گذر چکا ہے۔

اور مُردوں کو مخاطب کر کے قبرستان میں سلام کہنا بھی اس قسم سے ہے، کیونکہ قبرستان کے دیکھنے سے ان کی زندگی کے دن یاد آ جاتے ہیں، گویا ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ سامنے ہیں۔

اور حضرت عائشہؓ کا اپنے بھائی کو مخاطب کرنا اس قسم سے بھی ہوسکتا ہے۔ اسی طرح جب میت سامنے ہو جیسے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت حضرت ابوبکرؓ نے

کہا تھا: **بابی انت وامی یا نبی اللہ لایجمع اللہ علیك موتتین**۔ یعنی اے اللہ کے نبی! اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ اور اس سے حضرت عمرؓ وغیرہ پر رد کرنا مقصود تھا۔ کیونکہ ان کا خیال تھا۔ کہ رسول اللہ ﷺ اگر فوت ہو گئے ہوں تو پھر زندہ ہو کر فتوحات کریں گے اور کبھی مشرکوں کے اعتقاد کے لحاظ سے اُس شئے کو نازل بمنزلہ عاقل کے قرار دے کر خطاب کرتے ہیں جس سے مقصود توحید کا اظہار اور توحید کا اقرار ہوتا ہے، جیسے چاند وغیرہ کے خطاب میں ہے۔ اور حضرت عمرؓ کا حجر اسود کو خطاب کرنا ممکن ہے، اس قسم ۱میں داخل ہو۔

اور کبھی محض دردِ دل اور اظہار افسوس کیلئے خطاب کرتے ہیں۔ جیسے اکثر مرثیوں میں ہوتا ہے اور **یا ویلتی لیتنی لم اتخذفلانا خلیلا** (پ۱۹) بھی اسی قسم سے ہے، یعنی ویل اور خرابی کو پکارنا اور نوحہ میں بھی ایسا ہوتا ہے جسے ندبہ کہتے ہیں اور بعض دفعہ محض تلذذ مقصود ہوتا ہے جیسے کوئی اپنے محبوب کی صورت کو حاضر خیال کر کے خطاب کے ساتھ باتیں کرتا ہے۔ غرض اس قسم کے بہتیرے وجوہ ہیں جو ہر زبان میں موجود ہیں، اور لوگ استعمال کرتے ہیں۔ خدا جانے مولوی پھلواری صاحب کسی دوسرے جہان میں رہتے ہیں جو مٹی کے ڈھیر کو مخاطب کرنا ان کے نزدیک فضول اور لغو بکواس ہے مولوی پھلواری صاحب: کیا آپ نے ادب کی کتابیں بھی نہیں پڑھیں؟ جن میں کئی ایسے قصاید موجود ہیں، جن میں شعراء اپنی محبوبات کی جگہوں اور پُرانے کھنڈروں کو خطاب کرتے ہیں دیکھئے: قطامی شاعر کہتا ہے:۔

اِنَّا مُحَبُّوكَ فَاسْلَمْ اَيُّهَا الطَّلَلُ وَاِنْ بَلِيْتَ وَاِنْ طَالَتْ بِكَ الطُّوَلُ

اَنّٰی اهْتَدَيْتَ لِتَسْلِيْم عَلٰى دِمَنٍ بِالْغَمْرِ غَيَّرَ هُنَّ الْاَ عُصُرُ الْاَوَلُ

حاشیہ نمبر 1: فتامل فیه فإن قول عمر لیس من الاذکار بخلاف ماقاله ﷺ فی القمر والارض

(نیل الادب فی قصائد العرب ۸۸) ترجمہ ہم تمہیں سلام کا تحفہ دیتے ہیں، بس سلامت رہو اے کھنڈرو! اگرچہ تم پُرانے ہوگئے ہو اور تم پر زمانہ گذر گیا ہے۔ میں نے رہائش کے نشانوں پر سلام ڈالنے کے لئے غمر جگہ میں کسطرح راستہ پایا، جن کو پہلے زمانوں نے بدل دیا۔

جریر بن بلال بن مالک شاعر کہتا ہے:

حَيَّ العَدَاةَ بَرامَةَ الَا طُلَا لَا رَسماً تَقادَمَ عَهدُهُ فَاَحالاً

اِنَّ الغَرادِيَ وَالسَّوارِيْ غَادَرَتْ لِلرِيُحِ مُختَرْ اسبِهِ وَمَجالاً

اَسبَحتُ بَعُدَ جَمِيع اَهلِكَ دمَنَةً قَفراً كُنتَ مَحلةَ محلالاً

لَمْ يُلفَ مِثْلُكَ بَعُدَ عَهدِكَ منزِلاً فَسُقِيتَ مِنْ نُورِ السِّماكِ سَجالاً

(حوالہ مذکورہ ص۱۰۲) ترجمہ (یعنی صبح کے وقت رامہ جگہ میں سلام کا تحفہ دے جو ایسے نشان ہیں جن کا زمانہ پُرانا ہوگیا۔ پس اس زمانے نے ان کو بدل دیا ہے۔ بیشک دن رات آنیوالوں نے اس جگہ میں ہوا کے لئے راستے اور جولان گاہ بنادی ہے۔ (اے میرے محبوب کی جگہ تو) اپنے تمام رہنے والوں کے بعد سیاہ نشان میدان چٹیل بن گئی۔ حالانکہ تو آباد تھی جس میں کثرت سے نزول ہوتا تھا۔ یعنی لوگ اترتے تھے۔ تیرے زمانے کے بعد تیرے جیسی کوئی منزل نہیں پائی گئی۔ تجھے سماک ستارے کی منزل سے ڈول پلائے جائیں یعنی تجھ پر رحمت کی بارش ہو)

مولوی پھلوای صاحب! دیکھئے یہ مٹی کے ڈھیروں کو خطاب ہے یا نہیں یہاں تو مٹی کے ڈھیروں میں مُردے بھی نہیں، اور باوجود اس کے خطاب ہورہا ہے آپکو باوجود بیچ میں مُردہ ہونے پر تعجب ہے۔ حالانکہ بیچ میں مُردہ ہونے کو زندگی کا نقشہ سامنے آنے میں زیادہ دخل ہے۔

خلاصہ یہ کہ خطاب سے سماع موتی ثابت نہیں ہوتا خواہ سلام کے ساتھ خطاب ہو یا کسی اور بات کے ساتھ ہو۔ اور کتاب الروح صفحہ ۵ کے حوالہ سے جو آپ نے اس بات

پر اجماع نقل کیا ہے۔ کہ مُردے زائرین کو پہچانتے ہیں۔ یہ بالکل افتراء ہے۔ کتاب الروح صفحہ ۵ میں تو مُردوں کو خطاب کے ساتھ سلام کہنے پر اجماع نقل کیا ہے۔ جس کی مرضی ہو کتاب الروح کا صفحہ ۵ نکال کر دیکھ لے اور آسانی کے لئے ہم نے حاشیہ میں بھی کتاب الروح کی یہ عبارت نقل کر دی ہے۔ ہاں کتاب الروح کے صفحہ ۵ میں یہ موجود ہے۔ کہ سلف سے آثار متواتر اس بارے میں آئے ہیں کہ مُردہ زندہ کی زیارت کو پہچانتا ہے مگر تواتر سے مراد ان کی اصطلاحی تواتر نہیں۔ بلکہ کثرت مراد ہے۔ یعنی اس بارے میں سلف سے بہت روایتیں آئی ہیں۔ خواہ صحیح ہوں یا ضعیف۔

روایت کا ضعف

چنانچہ اس کے بعد کتاب الروح میں وہ آثار ذکر کئے ہیں جن سے ایک حضرت عائشہؓ کی روایت **مامن رجل یزور الخ** ہے جو مولوی پھلواری صاحب نے ذکر کی ہے اور اسی کے قریب قریب ابو ہریرہؓ سے ہے، حضرت عائشہؓ والی مرفوع ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ والی موقوف ہے، ان دونوں کی سند میں زید بن اسلم ایک راوی ہے جس کو حافظ ابن حجرؒ نے طبقات المدلسین میں مدلس لکھا ہے۔ اگر چہ تدلیس اس کی ادنیٰ درجہ کی ہے۔ جس سے اس کی حدیث رد نہیں ہوسکتی لیکن تقریب میں لکھا ہے ارسال کرتا ہے۔ یعنی جس سے اس کی ملاقات نہیں ہوتی، اس سے ایسے لفظ کے ساتھ روایت کرتا ہے جس سے سماع کا وہم ہوتا ہے، جیسے عن اور قال وغیرہ اور یہاں حضرت عائشہؓ اور ابو ہریرہؓ سے عن کے ساتھ روایت کی ہے، اور تہذیب التہذیب میں لکھا ہے، کہ ابی ہریرہؓ سے اس نے نہیں سُنا نیز ابو ہریرہؓ کی روایت میں محمد بن قدامہ جوہری ایک راوی ہے، جس کی بابت تقریب میں لکھا ہے فیہ لین یعنی اس میں ضعف ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں ایک راوی یحیٰ بن

یمان ہے اس کی بابت تقریب میں لکھا ہے صدوق عابد تخطی کثیرا یعنی، سچا ہے، عابد ہے، روایت حدیث میں غلطیاں بہت کرتا ہے، اور دو راوی حضرت عائشہؓ کی حدیث میں اور ہیں، ایک محمد بن عون، دوسرا عبداللہ بن سمعان پہلے کی بابت تقریب میں لکھا ہے متروک یعنی محدثین نے اس کی حدیث ترک کردی ہے دوسرے کی بابت تقریب میں لکھا ہے **متروک اتھمه بالکذب** ابوداود وغیرہ یعنی محدثین نے اس کی حدیث ترک کردی ہے اور ابوداود نے اسکو کذب کے ساتھ متہم کیا ہے۔

اس تفصیل سے ان دونوں روایتوں کا حال معلوم ہوگیا، کہ یہ بالکل رڈی ہیں۔ ان کے بعد کتاب الروح میں اور آثار بھی ذکر کئے ہیں۔ مگر صحابہؓ سے کوئی ایسی روایت ذکر نہیں کی، جس سے یہ ثابت ہو کہ مردہ زائرین کی زیارت کو جانتا ہے۔ ہاں بعد کے لوگوں کے کچھ آثار ذکر کئے ہیں مگر وہ زیادہ تر خوابیں ہیں، جو شرعی دلیل نہیں اور فی نفسہ بھی دلیل کمزور ہے، جسکی مرضی ہو کتاب الروح نکالکر دیکھ لے اور ابن قیمؒ سے صفحہ ۱۰ میں ہم نقل کر چکے ہیں کہ انہوں نے واقعہ بدر کی وہی تاویل کی ہے جو ہم نے کی ہے۔ اگر مردہ کو ہر وقت پہچان ہے اور اس کو زائر کی آواز سنائی دیتی ہے۔ تو پھر یہ تاویل کیوں کرتے، پس کتاب الروح کا حوالہ تو آپ کو کچھ مفید نہیں۔ اسی طرح سیوطیؒ کی کتاب شرح الصدور کا حوالہ کیونکہ اس میں کتاب الروح سے کچھ زیادہ نہیں۔ رہی روندنے کی حدیث جس کی بابت پہلے گذر چکا ہے کہ اسکا جواب آگے آئیگا یعنی **لا توذ صاحب ھذالقبر** سو اس کی بابت عرض ہے، کہ منتخب کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۸۵ میں اس روایت کو تاریخ ابن عساکر کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور منتخب کنز العمال کے مقدمہ میں کہا ہے جو روایت تاریخ ابن عساکر کے حوالہ سے ذکر ہو وہ ضعیف ہوگی، پس یہ روایت ضعیف ہوئی نیز اس کا یہ مطلب نہیں کہ صاحب قبر کو اس روندنے کا علم ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے اس کو ایذاء پہنچتی ہے۔ بلکہ دیکھنے

والوں کی نظر میں جب اس کی توہین ہوئی۔تو خواہ میت کو علم ہو یا نہ ہو اس کو ایذا پہنچانا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بھائی کی غیبت کرے۔ یا اس کا پیسہ ٹکہ کھا جائے تو خواہ اس کو علم ہو یا نہ یہ اپنے بھائی مسلمان کو ایذا پہنچاتا ہے۔ اور اس مطلب کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جو کنز العمال کے اسی صفحہ میں ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ **انزل عن القبر لا توذی صاحب القبر ولایوذ یك** یعنی قبر سے اتر صاحب قبر کو ایذا نہ دے اور وہ تجھے نہ دے۔

ظاہر ہے کہ صاحب قبر کا روندنے والے کو ایذاء پہنچانا اس کی کیفیت کا بھی روندنے والے کو علم نہیں چہ جائیکہ ایذا کا علم ہو ٹھیک اسی طرح روندنے والے کی ایذا کو سمجھ لینا چاہیے۔ اور یہ حدیث کہ مُردہ دفن کے بعد لوٹنے والوں کے پاؤں کی آواز سنتا ہے۔ اس کا جواب ص ۵۔۱۱۔۱۴ میں گذر چکا ہے۔ اور یہی جواب بعینہ عمرو بن عاصؓ کی حدیث کا ہے جو صحیح مسلم کے حوالہ سے ذکر کی ہے۔

حدیث عائشہؓ حیاء من عمر کی وضاحت

اور حضرت عائشہؓ کی حدیث کہ وہ حضرت عمرؓ کے دفن کے بعد پردہ سے داخل ہوتیں۔ یہ صرف حیات کی وضع کو قائم رکھنا ہے۔ جس میں وہی میت کا احترام ملحوظ ہے آپ خیال نہیں کرتے کہ اگر میت مٹی کے اتنے بڑے ڈھیر سے دیکھتی ہے۔ جس سے زندہ آپ کے نزدیک آواز بھی نہیں سُن سکتا۔ تو کیا حضرت عائشہؓ کی چادر حضرت عمرؓ کی نظر کو روک سکتی تھی؟ ہرگز نہیں۔ پس اس حدیث کا مطلب صرف حیات کی وضع کو قائم رکھنا ہے، جس سے احترام ملحوظ ہے، اور اسی لئے حیاء من عمر کہا ہے ستراً من عمر نہیں کہا۔ یعنی حیا کا ذکر کیا ہے پردے کا ذکر نہیں کیا۔

خلاصہ یہ کہ میت کی عزت اور توقیر اسی طرح کرنی چاہیئے جیسے زندہ کی کی جاتی

ہے۔مثلاً کفن اچھا ہو، قبر فراخ ہو اور گہری ہو، نہلایا عزت کے ساتھ جائے اور اچھی طرح میل کچیل دُور کی جائے پانی زیادہ تیز نہ ہو، اس کی ہڈی نہ توڑی جائے اس کی شرمگاہ نہ دیکھی جائے یہاں تک کہ حدیث میں ہے کہ غسل بھی اس کو اس کا کوئی خاص آدمی دے، تاکہ بدنی عیب پر دوسرا مطلع نہ جس کو وہ اپنی حیات میں پسند نہیں کرتا تھا، مگران باتوں کو سماع موتی سے کچھ تعلق نہیں، ٹھیک اسی طرح حضرت عائشہؓ کا پردے کے ساتھ داخل ہونا یا دیگر ادب آداب کو سمجھ لینا چاہیئے فافھم۔

پھلواری:۔ بہرحال پھر اصل مطلب پر آتا ہوں۔کہ ارواح کو بعد موت اعلیٰ درجہ کا ادراک وشعور حاصل ہوتا ہے۔اور طرح طرح کے تصرفات بھی ان سے سرزد ہوتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص (صحابی) نے نادانستگی سے ایک قبر پر اپنا خیمہ نصب کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے قبر کے اندر سے کسی کی سورۃ مُلک تلاوت کرنے کی آواز سُنی۔ پھر حضور انور ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی، حضور ﷺ نے سورہ مُلک کی تعریف میں فرمایا کہ وہ عذاب قبر سے بچاتی ہے۔(رواہ الترمذی وحسنہ الحاکم والبیھقی وغیرھم کتاب الروح لابن القیم ص ۱۳۹ وشرح الصدور للسیوطی ص ۱۲۸)

الغرض روح کا معاملہ کچھ عجب حیرت انگیز ہے اور اس کی طاقت وقوت کچھ عجیب طاقت وقوت ہے۔خصوصاً ارواح مقدسہ ملاء اعلیٰ میں جاکر ملکوتی صفات سے متصف ہوجاتی ہیں۔اور ملکوتی آثاراُن میں پائے جانے لگتے ہیں۔ان کے علم و درک وشعور وسیر وتصرف کیلئے عالم میں کوئی حجاب وحاجز مانع باقی نہیں رہتا۔**فتری وتسمع الکل کا لمشاھد (کماقاله ملاالقاری فی مرقاۃ)** وہ اعلیٰ علیین میں رہتی ہیں اور پھر قبر سے بھی ان کا ہروقت پورا تعلق رہتا ہے۔اور پھر جہاں چاہتی ہیں سیر بھی کرتی ہیں۔اور مختلف جگہ مختلف احوال میں پائی جاتی ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ الاسراء میں حضرت

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر کے اندر نماز میں مشغول پایا (رواہ مسلم فی الصحیح) پھر مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کی روحوں کے ساتھ کلیم اللہ کی روح بھی ضرور موجود تھی۔ اور پھر آسمان ششم پر بھی ان سے ملاقات ہوئی (کمافی الصحاح) حالانکہ واقعہ معراج نبوی چشم زدن کا معاملہ تھا۔

حافظ ابن حجر اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔

ارواح المؤمنین فی علیین وارواح الکفار فی سجین ولکل روح بجسدھا اتصال معنوی (الیٰ قولہ) ومع ذلک فھی ماذون لھا لی التصرف (شرح الصدور)

مومنوں کی روحیں علّیین میں ہیں اور کفار کی سجّین مین اور ہر روح کیلئے اپنے بدن سے ایک باطنی تعلق ہے اور باوجود اس کے روح کو تصرف کی اجازت ہے۔

علامہ جلال الدین نے حافظ ابن حجر کی تائید کرتے ہوئے ابن عساکر وغیرہ کی متعدد روائتیں پیش کی ہیں، کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، کہ میں نے جعفر کو دیکھا کہ جماعت ملائکہ کے ساتھ سیر کناں میرے پاس سے گذرے اور مجھے سلام کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اصابہ (مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۲۴۹) میں حضرت جعفر طیار ذوالجناحینؓ کے ذکر میں یہ روایتیں نقل کی ہیں۔

اسی لئے حضور سرور عالم ﷺ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ جب تم کو کسی صحراء و ویرانہ میں کوئی مشکل آپڑے اور کوئی یار و مددگار نظر نہ آتا ہو۔ تو اس وقت تین مرتبہ یوں کہو **یا عباد اللہ اعینونی** (اے خدا کے بندو! میری مدد کرو) (رواہ الطبرانی) علمائے ثقات محدثین نے اس کو حدیث حسن کہا ہے اور اس کا بارہا تجربہ کیا گیا ہے۔ (حصن حصین ص ۱۰۲) اس میں عباد اللہ کا لفظ عام ہے، رجال الغیب وملائکہ کی طرح ارواح طیبہ اولیاء اللہ بھی مراد ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ جب روح سیّارہ درّاکہ ومتفرقہ ہے تو بخوبی ممکن ہے کہ حسب

منشاءالٰہی کسی روح مقدس کی ادھر توجہ ہو اور مستغیث کا کام نکل جائے۔

اصحاب مشاہدہ نفوس قدسیہ اولیاء انبیاء سے ایسے تصرفات و برکات کا برابر تجربہ ومشاہدہ کرتے آئے ہیں۔علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ فرماتے ہیں۔کہ روح علاقات جسمانیہ سے مجرد ہونے پر راجع ہوکر ملائکہ سے ملحق ہوتی اور صفات ملکوتیہ سے متصف ہوجاتی ہے۔اوران کے کاموں میں شریک ہوتی ہے۔اوراکثر ایسی روحیں اعلاء کلمۃ اللہ ونصرحزب اللہ میں مصروف پائی جاتی ہیں (حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ صفحہ ۳۴) اور کچھ ایسا ہی علامہ ابن القیم کتاب الروح (صفحہ ۱۶۷ میں فرماتے ہیں کہ؛

وقد تواترت الرویا من اصناف بنی آدم علی فعل الارواح بعد موتها مالا تقدرعلی مثله حال اتصالها بالبدن الخ،

(اس بارے میں مختلف لوگوں کی خوابیں تواتر کو پہنچ گئی ہیں، کہ روحیں مرنے کے بعد وہ کام کرتی ہیں۔کہ بدن کے ساتھ ملنے کے وقت ایسے کام پر قادر نہ تھیں)

اقسام تصرفات

جواب: صفحہ ۱۳ میں گذر چکا ہے کہ ادراک وشعور دوطرح کا ہے ایک اخروی ایک دنیوی اسی طرح تصرفات بھی دوطرح کے ہیں،ایک اخروی ایک دنیوی۔

(۱) اخروی تصرفات

اُخروی یہ ہے، کہ جب انسان مرجاتا ہے تو حسب مراتب جزاءسزا بھگتتا ہے، مثلاً شہدا پرندوں کی شکلوں میں داخل کئے جاتے ہیں اور جنت کی سیر کرتے اور کھاتے پیتے ہیں رات کوعرش کے نیچے قندیلوں میں آرام کرتے ہیں۔اسی طرح عام مومنوں کی بابت بھی آیا ہے کہ ان کی روح پرندے کی شکل میں ہوجاتی ہے اور قبر کا آرام اور قبر کی تکلیف بھی

برحق ہے۔ مثلاً قبر فراخ ہو جاتی ہے اور جنت کی طرف سے کھڑکی کھل جاتی ہے خواہ یہ جزاء سزا اسطرح سے ہو کہ روح کا بدن کے ساتھ کچھ تعلق ہے یا جس طرح خدا کو منظور ہو اور بعض دفعہ بعض بزرگ عبادت میں بھی مشغول ہوتے ہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ نے معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے دیکھا۔ اور ایک صحابی نے ایک شخص کو سورہ ملک پڑھتے سنا لیکن یہ عبادت ان کے لئے ایسی ہی ہوتی ہے جیسے جنت کی نعمتیں، یعنی لذت ہوتی ہے نہ تکلیف، کیونکہ وہ دنیوی عبادت کی طرح نہیں ہوتی۔ کہ اُس پر ثواب مرتب ہو کیونکہ اعمال کا سلسلہ موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے۔ یہ تو سب اخروی تصرفات ہیں۔

(۲) دینوی تصریفات

دنیوی تصرفات یہ ہیں کہ جب ہمارا کوئی جھگڑا ہو تو مقدمہ ان کے پاس لیجائیں اور وہ فیصلہ کر دیں۔ اگر کسی بڑے آدمی کے پاس ہمارا مطلب ہو۔ تو وہ سفارش کر دیں، یا ہمارے اوپر کوئی مقدمہ ہو تو وہ پیسے ٹکے کی امداد کر دیں، یا کوئی بیمار ہو تو اس کا علاج کر دیں، یا کسی بھوکے کا پیٹ بھر دیں یا بوجھ والے کا بوجھ اٹھالیں یا قحط سالی وغیرہ ہو تو دعاء کیلئے ان کو آگے کریں، یا اور کوئی ضرورت ہو تو اس کے لئے ان سے دعاء منگوائیں، یا کچھ ان سے سیکھیں یا ان کی صحبت کا فیض اٹھائیں، جیسے زندگی میں وہ اس قسم کے تصرفات کرتے تھے۔ کیا اب بھی مرنے کے بعد وہ اس قسم کے تصرفات کرتے ہیں یا نہیں ظاہر ہے کہ اس قسم کے تصرفات ان کے منقطع ہو چکے ہیں۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ استسقاء کیلئے رسول اللہ ﷺ کے روضہ مبارک پر نہیں گئے، بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو آگے کیا۔ چنانچہ رسالہ وسیلہ بزرگاں میں ہم نے مفصل ذکر کیا ہے اور امام ابوحنیفہ صاحب رحمہ اللہ نے اس شخص کو ڈانٹا جو بزرگوں کی قبروں میں جا کر کہتا تھا کہ میرا سوال تم سے دعاء کا ہے۔ چنانچہ یہ بھی صفحہ ۶ میں

گذر چکا ہے۔

مولوی پھلواری صاحب نے جو کچھ ذکر کیا ہے۔ وہ اخروی تصرفات ہیں۔ ہم سے ان تصرفات کو کچھ تعلق نہیں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ خرق عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ ان کی کوئی بات ہمیں معلوم کرادے جیسے قبر سے سورۃ مُلک پڑھنے کی آواز آنا، اور رسول اللہ ﷺ کا موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے دیکھنا اور معراج کی رات جنت دوزخ کی سیر کرنا۔ اسی طرح جعفرؓ کا رسول اللہ ﷺ کے پاس سے سیر کرتے گذرنا اور سلام کہنا (بشرطیکہ یہ صحیح ہو کیونکہ ابن عساکر کی روایتیں ضعیف ہوتی ہیں چنانچہ ص ۳۴ میں گذر چکا ہے)۔

استمداد کی شروط

اسی طرح نماز کسوف میں رسول اللہ ﷺ کا جنت درزخ کو سامنے کی دیوار میں دیکھنا غرض اس سے کسی کو انکار نہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے جس بندے کو چاہتا ہے اخروی معاملات مشاہدہ کرادیتا ہے، مگر اس کو استمداد کے مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں، کیونکہ یہ مشاہدہ الگ چیز ہے اور استمداد الگ چیز ہے، استمداد تب ثابت ہوسکتی ہے۔ جب تین باتیں ثابت ہوجائیں۔

ایک: یہ کہ جو کچھ ہم ان سے طلب کرتے ہیں۔ اس کا اس کو علم ہے۔

دوم: وہ اس پر قادر ہیں۔

سوم: اللہ کی طرف سے اُن کو اذن ہے کہ وہ دیں۔

مولوی پھلواری صاحب ان تین سے ایک بھی ثابت نہیں کرسکے تیسری بات یعنی اذن کے مسئلہ کو تو مولوی صاحب نے چھوا ہی نہیں، پہلی بات سماع موتی کا مسئلہ ہے، اس کی حقیقت ناظرین کو معلوم ہوچکی دوسری بات تصرفات کا مسئلہ ہے اس کی بابت بھی

ہم عرض کر چکے ہیں، کہ اخروی تصرفات سے کسی کو انکار نہیں مگر چونکہ دنیا و آخرت میں برزخی پردہ ہے اس لئے اخروی بات سے دنیا کی بات پر قدرت لازم نہیں آتی، اور دنیوی بات سے اخروی بات پر قدرت لازم نہیں آتی، بلکہ اگر کوئی بات ثابت ہو جائے تو وہ خرق عادت پر محمول ہوگی۔ چہ جائیکہ ثابت ہی نہ ہو۔ مولوی پھلواری صاحب نے سارا زور لگایا، مگر اب تک ایک آیت و حدیث بھی اس کے ثبوت میں پیش نہ کر سکے۔

مولوی پھلواری صاحب کی خیانت

صرف حدیث یا عباد اللہ اعینونی پیش کی ہے جس کا نہ پیش کرنا بہتر تھا، کیونکہ اس سے مولوی پھلواری صاحب کی خیانت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اس کی بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں۔

ان للّٰہ ملائکة فی الارض سوی الحفظة یکتبون ماسقط من ورق الشجر فاذا اصاب احدکم شیئی بارض فلاة فلیناد اعینونی عباد اللّٰہ .

یعنی اللہ کے لئے محافظ فرشتوں کے سوا اور فرشتے بھی ہیں جو درختوں کے پتے لکھتے ہیں جو گر جاتے ہیں، پس جب ایک تمہارے کو جنگل میں کوئی معاملہ پیش آئے، دوسری روایت میں ہیں جب ایک تمہارے کا جنگل میں دابہ (چارپایہ) چھوٹ جائے، تو یوں کہے اے اللہ کے بندو! میرے مدد کرو، (اور ایک روایت میں ہے کہ اے اللہ کے بندو! (سواری کو) روک لو) مجمع الزوائد میں یہ روایت ذکر کر کے کہا ہے **رواہ البزار ورجالہ ثقات** یعنی اسکو بزارؒ نے روایت کیا ہے اور راوی اس کے ثقہ ہیں۔

دیکھئے! اس روایت میں فرشتوں کی تصریح ہے اور فرشتے ہر جگہ موجود ہیں، مولوی پھلواری صاحب نے یہ الفاظ نقل نہیں کئے، تاکہ مُردے بھی داخل ہو جائیں، دیکھئے!

یہ کتنی بڑی خیانت ہے،

اس کے علاوہ اس حدیث کی تین سندیں ہیں ایک میں تو معروف بن حسان راوی ہے جس کو مجمع الزوائد اور میزان الاعتدال میں ضعیف کہا ہے اور دوسرے کی بابت مجمع الزوائد میں کہا ہے۔

ورجاله وثقوا علیٰ ضعف فی بعضهم الا ان یزید بن علی لم یدرك عتبة.

یعنی اس کے راوی توثیق کئے گئے ہیں، باوجود ضعف کے بعض میں یعنی بعض میں ضعف ہے لیکن یزید بن علی نے عتبہ کو نہیں پایا، یعنی باوجود بعض راویوں کے ضعف کے اس اسناد میں انقطاع بھی ہے اور تیسری سند وہی ہے جس میں فرشتوں کا ذکر ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، اگر انقطاع شذوذ، علّت وغیرہ سے خالی ہو تو یہ روایت صحیح ہوگی ورنہ نہیں لیکن یہاں ایک اصولی بحث ہے جس کا ذکر تنظیم اہلحدیث جلد۴ نمبر ۱۶ مورخہ ۲۰ صفر المظفر سنہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۴ مئی سنہ ۱۹۳۵ء صفحہ ۵ میں ہے، ناظرین اپنی تسلی کرلیں۔

بہرصورت مولوی پھلواری صاحب کو یہ کچھ مفید نہیں، اس کے بعد مولوی پھلواری صاحب نے شاہ ولی اللہ صاحب سے نقل کیا ہے کہ اکثر ایسی روحیں اعلاء کلمۃ اللہ ونصر حزب اللہ میں مصروف پائی جاتی ہیں، لیکن اس میں بھی دھوکہ دیا ہے۔ شاہ صاحب کی عبارت میں لفظ (ربما ہے اور اس کے اصل معنی تقلیل کے ہیں۔ یعنی کبھی قلت کے ساتھ ایسی روحین اعلاء کلمۃ اللہ ونصر حزب اللہ میں پائی جاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ کبھی اتفاقیہ اللہ تعالیٰ کسی سے کوئی کام لیلے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمکو ہمیشہ یا علی العموم قدرت ہو دیکھئے! رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزے ظاہر ہوئے ہیں جیسے تھوڑے سے کھانے سے لشکر کا پیٹ بھر دینا اور چند قطروں پانی سے سینکڑوں کے لشکر کو سیراب کر دینا وغیرہ وغیرہ مگر علی العموم یہ حالت نہ تھی ورنہ پیٹ پر پتھر کیوں باندھتے اور جنگوں میں شکستیں

کیوں کھاتے اور بیمار کیوں ہوتے اور طرح طرح کے مصائب کیوں اٹھاتے، ٹھیک اسی طرح روحوں کے معاملہ کو سمجھ لینا چاہیئے، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے، کہ ابن قیمؒ نے اس عبارت کے بعد جو مولوی پھلواری نے ذکر کی ہے کہا ہے:

وکم قدرؤی النبی ﷺ ومعه ابوکبر وعمر فی النوم قدر هزمت ارواحهم عساکر الکفر و الظلم فاذا جیوشهم مغاوبة مکسورة مع کثرة عددهم وضعف المؤمنین وقلتهم.

یعنی، رسول اللہ ﷺ کو کئی مرتبہ خواب میں دیکھا گیا ہے اور آپ کے ساتھ ابوبکر اور عمر بھی ہیں، کہ ان کی روحوں نے کفر اور ظلم کے لشکروں کو شکست دی ہے، پس ناگہاں کفار اور ظالم اپنے لشکروں کے ساتھ مغلوب اور شکستہ ہیں باوجود کثرت، گنتی اور سامان کفار کے اور کمزوری اور کمی مومنوں کے، اور ظاہر ہے کہ زندگی میں اس قسم کی فتوحات معجزے اور کرامت ہی کی صورت میں پوری ہوئی ہیں جو خرق عادت کی قسم سے ہیں ہمیشہ یہ حالت نہیں تھی، جیسے جنگ بدر میں آپ نے مُشت (مٹھ) مٹی کی پھینکی تھی، اسی طرح جنگ حنین میں، ٹھیک اسی طرح موت کے بعد روحوں کی حالت کو خیال کر لینا چاہئے، لیکن اس جواب کی ضرورت ہمیں اس وقت ہوگی جب ثابت ہو جائے کہ کبھی روحوں سے اللہ تعالیٰ اعلاء کلمۃ اللہ ونصر حزب اللہ کا کام لیتا ہے، ورنہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس پر کوئی آیت وحدیث پیش نہیں کی، شاید ان کا خواب ہو یا کشف ہو، جو شرعی دلیل نہیں، جیسے ابن قیم علیہ الرحمۃ کی عبارت میں خواب کی تصریح ہے، اسکے علاوہ مجھے تعجب ہے کہ یہ لوگ مسئلہ استمداد کیلئے ان بزرگوں کی عبارتوں سے اشارات وکنایات نکالتے ہیں، اور صاف فیصلہ جو انکی عبارتوں میں موجود ہے اور ساتھ ہی آیت وحدیث بھی پیش کرتے ہیں اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

شاہ ولی اللہ اور استمداد

شاہ ولی اللہ صاحب مسئلہ استمداد کے متعلق کیسا صاف فیصلہ دیتے ہیں چنانچہ اپنے رسالہ ابلاغ المبین میں لکھتے ہیں کہ:

پیر پرستان گویند چوں مردیکہ سبب کمال ریاضت ومجاھدت مستجاب الدعوة ومقبول شفاعت عند الله شده بود ازیں جهاں میگذرد، روح اور ا قوتی عظیم ووسعتی فخیم میرسد، ھر که صور اور را برزخ سارد یا درمکاں نشست وبرخاست او مسجود وتَذَلُّل تمام نماید، روح اور به سبب وسعت واطلاق برآں مطلع شود و در دنیا وآخرت شفاعت نماید ودر ردّ مذھب ایں گروه آیات واحادیث بسیار موجوده اند از انجمله است: ۔ قوله تعالیٰ ام اتخذوا من دون اللّٰه شفعاء قل اولو کانو ا لایملکون شیئا ولایعقلون . یعنی آیا گرفتند ایشاں از غیر خدا دیگراں را شفیع، بگو اے پیغمبر! اگرچه مالک نه باشند، چیزے ونفھمند، از انجمله قول تعالیٰ ومن اضل ممن یدعو من دون اللّٰه من لایستجیب له الیٰ یوم القیامة وھم عن دعاء ھم غافلون ۔ یعنی کیست گمراه تراز کسیکه دعاء میکند بجز خدا کسے راکه استجابت دعانمے کند ونخواھد تا روز قیامت وآں بدعواں از دعاء ایشاں غافل اند از داعی الی غیرالله گمراه تر درجھاں نیست بدانکه آیه کریمه دلالت واضح کرد برایں که ارواح غیبه وابداں محجبه که درعالم پرستیده می شودن، و دعاء حاجت روائی بسوئے آناں کرده می شود آں ھمه از دعاء

وداعیاں بخیر محض ان خواہ انبیاء باشند خواہ اولیاء وھرگاھے که درحشر از دعاء داعیاں باخبار آلھی خبر دار خواھند وسخن داعیاں خود خواھند گردید از وصول عبادت داعیان منکر خواھند شد چه جائیکه شکر گذار شوند وشفاعت داعیاں نمایند ـ واذا حشرالناس کانو الھم اعداء وکانوا بعبادتھم کافرین ، ازیں آیت دریافت شد که دعاء شاں عبادت است در آیت اول ذکر دعاء بود ودرینجا ھماں دعاء را بعبادت تغیر نمود ونیز از آیت دیگر باصرح طریق ایں معنی ثابت است که اوتعالیٰ میفرماید. ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین، وآنحضرت ﷺ فرمود الدعاء مخ العبادة یعنی دعاء مغزعبادت است اصل عبادت است پس ثابت شدکه ازاولیاء الله حاجت روائی خوائتن وایشاں را دعوت نمودن ونزد قبور ایناں باستغاثه رفتن عبادت نمودن است ایشاں را اگرچه ایں عابداں دعاء خودرا عبادت ندانند وگویند که ما عابدان قبور نه ایم بلکه زائران قبور ایم ابلاغ المبین صفحه١٦)

درعھد خلافت امیر المؤمنین عمرؓ امساك باران شده بود خلیفه اسلام باجم غفیر برائے استسقاء درمدینه منوره رفت وبعباسؓ که عم آنسرور ﷺ بود توسل نمود وگفت اللھم اناکنا نتوسل نبیك ونحن الآن نتوسل عم نبیك. یعنی ای بار خدایا...... توسل به پیامبر والحال توسل می نمائیم ھم پیغمبر تو ازیجا ثابت شد که توسل بگزشتان...... وغائباں جائز نداشته اند وگربه عباسؓ از سرورِ عالم ﷺ بھتر نبود چرا

نگفت که توسل میکردیم به پیغمبر تو والحال توسل میکنم بروح پیغمبر تو ﷺ ابلاغ المبین ص ۷)

درمشکوۃ شریف درباب زیارۃ القبور در فصل اول از بریدہ اسلمیؓ بروایت مسلم مے آید کہ گفت کان رسول اللّٰہ ﷺ یعلم..... اذا خرجوا الی المقابر السلام علیکم یااھل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا إنشاء اللّٰہ بکم لاحقون نسأل اللّٰہ لنا ولکم العافیۃ ۔ ودر فصل الثانی از ابن عباسؓ براویت ترمذی می نویسد کہ ابن عباس گفت کہ پیغمبر ﷺ بقبور مدینہ می گذشت پس بر آن متوجہ شد و گفت السلام علیکم یا اھل القبور یغفراللّٰہ لنا ولکم انتم سلف لنا ونحن بالاثر ۔ ودر فصل ثالث از عائشہؓ بروایت مسلم آوردہ است کہ گفت کہ چہ گونہ گوئم یا رسول اللّٰہ در زیارت قبور آنحضرت فرمود، بگو السلام علیکم اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین ویرحم اللّٰہ المستقدمین منا والمستاخرین انا انشاء اللّٰہ بکم لاحقون . ازیں ھمہ احادیث صاف معلوم شد کہ سوائے تذکرہ . اخرت ویاد کردن موت از زیات قبور آنحضرت وصحابہ را چیزے دیگر ملحوظ نبود ومگر ترحم ومغفرت از جناب الھٰی ھمراہ خود برائے مقبوران مسلمین درمی خواستند تا بایشاں ما از زندگان فائدہ استغفار برسد وآمرزش خواستن برائے مادر مومنین البتہ ثواب داردھم برائے زندہ ھم برائے مُردہ ، واینکہ زائیانِ حال برائے منفعت خود از جانب موتی زیارت ایشاں میکنند وھارواح ایشان رامطلع بر افعال واحوال خود دانستہ روبروئے قبور آنھا تذلل وتضرع می نمایند

وآنجا مطلب می خواهند ومیگوین چنیں وچناں حاجات ما بر آرید یا می گویند بجناب الٰہی عرض دارید تا عقدہ کشائی بشود، محمد رسول اللہ ﷺ واصحاب کرام واھل بیت عظام ازیں دیں جدید وقول شدید بہ ہزارازبان تحاشی می نمایند (ابلاغ المبین ص ۱۸).

پیر پرست کہتے ہیں، جب کوئی مرد کمال ریاضت اور عبادت کی وجہ سے عند اللہ مستجاب الدعوۃ اور مقبول الشفاعت ہوکر اس جہاں سے کوچ کر جاتا ہے تو اس کی روح کو ایک بڑی طاقت اور وسعت حاصل ہو جاتی ہے، جو شخص ایسے بزرگ کی صورت کا تصور کرے یا اس کے بیٹھنے کی جگہ میں یا اس کی قبر پر کامل عاجزی کے ساتھ سجدہ کرے تو اس بزرگ کی روح وسعت اور فراخی سے اس پر مطلع ہو جاتی ہے۔ اور دنیا وآخرت میں اس کی سفارش کرتی ہے، اور اس گروہ کے ردّ میں بہت آیتیں حدیثیں موجود ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے، کہ کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور سفارشی بنا رکھے ہیں؟ اگر چہ وہ سفارشی کسی شیء کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ سمجھتے ہیں نیز اللہ تعالیٰ کا ایک یہ قول ہے کہ اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا اوروں کو پکارے جو قیامت تک قبول نہیں کرتے، اور وہ ان کی پکار سے غافل ہیں غیر اللہ کے پکارنے والے سے بڑھ کر کوئی گمراہ نہیں۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہئیے کہ یہ آیت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ارواح غائبہ اور ابدان پوشیدہ جن کی اس جہاں میں پوجا ہوتی ہے اور حاجت روائی کی ان سے دعا کی جاتی وہ تمام اپنے پکارنیوالوں سے محض بے خبر ہیں۔ خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء اور جب قیامت کے دن اللہ کے خبر دینے سے ان بزرگوں کو ان دعاء کرنے والوں کی دعاء کی خبر ہوگی تو وہ بزرگ اس سے انکار کر دیں گے چہ جائیکہ ان کی پوجا کا شکریہ ادا کریں، یا شفاعت کریں، چنانچہ اس آیت میں ہے کہ جب ان کا حشر ہوگا تو وہ بزرگ ان کے دشمن ہو جائیں گے، اور ان کی عبادت سے انکار کر دیں

گے،اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کو پکارنا یہ ان کی عبادت ہے، کیونکہ پہلی آیت میں دعاء کاذکر تھا،اور دوسری آیت میں بجائے اس کے عبادت کاذکر کیا ہے اور ایک اور آیت اس سے زیادہ صریح ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے پکارو، جولوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہونگے۔اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دعا بعینہ عبادت ہے،اور دعا عبادت کا مغز ہے، اور فعل عبادت ہے، پس ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ سے حاجت روائی چاہنا اور ان کو پکارنا استمداد کیلئے انکی قبروں پر جانا ان کی عبادت کرنا ہے۔اگر چہ یہ عابد اپنی دعاء کو عبادت نہ بنائیں اور کہیں کہ ہم قبروں کی پوجانہیں کرتے بلکہ قبروں کی زیارت کرنے والے ہیں۔

حضرت عمرؓ کی خلافت میں قحط سالی پڑگئی حضرت عمرؓ کثیر جماعت کے ساتھ استسقاء کے لیے مدینہ منورہ میں نکلے اور رسول اللہ ﷺ کے چچے حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنایا اور کہا یا اللہ پہلے ہم تیرے نبی کو وسیلہ بناتے تھے اب تیرے نبی کے چچا کو وسیلہ [1] بناتے ہیں،اس جگہ سے معلوم ہوا کہ اس جہاں سے گذرے ہوؤں اور غائبوں کا وسیلہ صحابہؓ جائز نہ سمجھتے تھے ورنہ عباسؓ رسول اللہ ﷺ سے بہتر نہ تھے،پس کیوں نہ کہا یا اللہ پہلے ہم تیرے نبی کو وسیلہ بناتے تھے اب تیرے نبی کی روح کو وسیلہ بناتے ہیں، ﷺ۔

مشکوۃ شریف باب زیارت القبور فصل اول میں مسلم کی حدیث ہے۔کہ جب قبرستان کی طرح نکلیں تو یہ کہیں، کہ تم پر اے قبروں والو مومنوں! مسلمانو! سلام ہو اور اگر اللہ

---

[1] اسی قسم کا ایک واقعہ شرح مشکوۃ میں معاویہؓ کا لکھا ہے انہوں نے یزید بن اسود کا وسیلہ پکڑا جیسے حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے وسیلہ پکڑا اور رسول اللہ ﷺ سے نہیں پکڑا نیز معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے یزید بن اسودؒ کے ساتھ استسقاء کرنے کی روایت صراط مستقیم ابن تیمیہ میں بھی ہے تفصیل کے لئے ہمارا رسالہ وسیلہ بزرگاں ملاحظہ ہو۔

چاہے تو ہم تم سے ملنے والے ہیں ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت مانگتے ہیں، اور دوسری فصل میں ابن عباسؓ سے ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبرستان مدینہ میں گذرتے پس متوجہ ہوتے اور کہتے اے قبروں والو! تم پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں بخشے، تم ہمارے آگے جانیوالے ہو اور ہم تمہارے بعد آنے والے ہیں: اور تیسری فصل میں حدیث ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ زیارت قبور کے وقت میں کیا کہوں فرمایا اے قبروں والو! مومنو! مسلمانو! تم پر سلام اللہ تعالیٰ ہم میں سے پہلوں اور پچھلوں پر رحم کرے اور اللہ اگر چاہے ہم تم سے ملنے والے ہیں:

ان حدیثوں سے صاف معلوم ہوا کہ زیارت قبور سے سوائے تذکرہ آخرت کے اور یاد کرنے موت کے رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کا اور کچھ مقصد نہ تھا مگر کہ رحم اور بخشش کی اہل قبور کیلئے اپنے سمیت دعاء کرتے تا کہ زندوں سے مُردوں کو استغفار کا فائدہ پہنچے اور استغفار اپنے لئے مومنین کی ضمن میں ثواب کا کام ہے زندوں کیلئے بھی اور مُردوں کے لئے بھی اور اس وقت کے لوگ جو مُردوں سے فائدہ حاصل کرنے کی نیت میں زیارت کرتے ہیں، اور ان کی ارواح کو اپنے افعال واحوال پر مطلع جانتے ہیں، اور ان کی قبروں کے سامنے عاجزی اور انکساری کرتے ہیں، اور اس جگہ مراد چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری فلاں فلاں حاجت پوری کردو، یا کہتے ہیں کہ خدا سے عرض کرو کہ وہ حاجت پوری کردے تا کہ مشکل کشائی ہو، محمد ﷺ اور صحابہ کرام اور بزرگان اہل بیت اس نئے دین سے ہزار دفعہ پناہ مانگتے ہیں۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے استمداد کے مسئلہ میں کیسا صاف فیصلہ فرمادیا ہے کہ یہ نیا دین ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل بیت اس دین سے پناہ مانگتے ہیں۔ استمداد خواہ اس طرح سے ہو کہ براہ راست مردوں سے کوئی مراد مانگے یا ان کو کہے کہ تم ہمارے لئے خدا سے درخواست کرو بہرصورت

یہ دین جدید ہے۔رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بزرگان اہل بیت تمام اس سے بری ہیں۔

شاہ عبدالعزیز اور استمداد لغیر اللہ

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز بھی اپنی تفسیر فتح العزیز میں آیۂ کریمہ **فلا تجعلو ا لله اندادا** کے نیچے اسی طرح لکھتے ہیں۔چنانچہ خدا کے شریک ٹھہرانے والے مشرکوں کی قسمیں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

چهارم پير برستاں گويند كه چوں مرد كه بسبب كمال رياضت ومجاهده مستجاب الدعوات وبقول الشفاعت شده بود ازيں جهاں ميگذرد روح قوة عظيم و دستعے بس فهيم بهم مى رسد هر كه صورت اور ابرزخ سازدياددمگان او نشست برخاست اويا بر گور او سجود وتذلل تمام نهايد روح اور ا بسبب دسعت و اطلاق بر آں ضلع شود ودر دنيا و آخرت درحق او شفاعت نمايد انتهى.

اس عبارت کا ترجمہ بعینہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت کا ترجمہ ہے۔خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جولوگ بزرگوں سے وفات کے بعد استمداد کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وفات کے بعد ان کی طاقت اور ان کے اختیار بڑھ جاتے ہیں۔وہ مشرک ہیں۔

دعا کے وقت قبلہ رخ ہونا

ابن قیم علیہ الرحمہ نے اس سے بھی بڑھ کر لکھا ہے۔(اغاثۃ اللھفان) کے جلد ا صفحہ ۱۳۴ میں فرماتے ہیں۔

ولقد جردالسلف الصالح التوحيد وحمدا جانبه حتى كان احد

هم اذا سلم علی النبی ﷺ ثم اراد الدعاء استقبل القبلة وجعل ظهره الی جدار القبر ثم دعاء قال سلمة بن ورد ان رأیت انس بن مالك یسلم علی النبی ﷺ ثم یسند ظهره الی جدار القبرثم یدعو ونص علی ذلك الائمة الاربعه انه یستقبل القبلة وقت الدعاء .

یعنی صحابہ، تابعین، تبع تابعین توحید کے مسائل میں بہت احتیاط کرتے ہیں ۔ یہاں تک کہ وہ جب حضرت کے مزار مبارک پر جاتے تو حضرت کے لئے قبر کی طرف منہ کرکے دعا نہ مانگتے تاکہ قبر کا قبلہ ہونا لازم نہ آئے بلکہ کعبہ کی طرف منہ کرکے مانگتے سلمۃ بن وردان فرماتے ہیں میں نے انس بن مالک کو اسی طرح کرتے دیکھا۔ چاراماموں کا بھی یہی مذہب ہے۔

میت سے استمداد شرک ہے

ابن قیم علیہ الرحمۃ زادالمعاد کے جلد 1 صفحہ 527 فصل فی ھدیہ ﷺ فی زیارۃ القبور میں فرماتے ہیں.

یفعل عند زیارتها من جنس ما یقوله عند الصلوة علی المیت من الدعاء والترحم والاستغفار فابی المشرکون الا دعاء المیت والاشراك به والاقسام علی الله به وسواله الحوائج والاستعانة به وتوجه الیه بعکس هدیه ﷺ فانه هدی توحید واحسان الی المیت وهدی هؤلاء شرك واساءة الی نفوسهم اولی المیت وهم ثلاثة اقسام اما ان یدعوا للمیت او یدعوا به وا عنده ویرون الدعاء عنده اوجب و اولی من الدعاء فی المساجد ومن تامل هدی رسول الله ﷺ واصحابه تبین له الفرق بین الامرین وبالله التوفیق.

کہ رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ کے وقت جو کچھ دعائیں میت کیلئے مانگتے تھے اسی قسم کی دعائیں زیارت قبور کے وقت مانگتے تھے۔لیکن مشرک میت کو پکارتے ہیں اور شرک کرتے ہیں اور اللہ کو میت کی قسم دیتے ہیں اور میت سے حاجتیں مانگتے ہیں اور استمد اد کرتے ہیں۔اور میت کی طرف توجہ کرتے ہیں۔اور یہ طریق رسول اللہ ﷺ کے طریق کا الٹ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا طریق توحید کا ہے اور میت کے ساتھ احسان کرنا ہے اور ان مشرکوں کا طریق شرک ہے اور اپنی جانوں کے ساتھ اور میت کے ساتھ برا کرنا ہے اور مشرک تین قسم کے ہوتے ہیں۔یا میت کو پکارتے ہیں۔یا میت کے ذریعے سے پکارتے ہیں۔یعنی میت کا وسیلہ پکڑتے ہیں۔یا میت کے پاس پکارتے ہیں۔اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ میت کے پاس دعاء کرنا مسجدوں میں دعاء کرنے سے زیادہ قبولیت کا باعث ہے اور بہتر ہے۔اور جس نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریق میں تامل کیا ہے۔اس کے نزدیک دونوں طریق میں فرق ظاہر ہے اور اللہ ہی کے ساتھ توفیق ہے۔

خلاصہ یہ کہ اول تو روحوں کے تصرفات کا کوئی ثبوت نہیں اگر بالفرض کوئی ہوتو وہ خرق عادت سے ہے اور خرق عادت اپنے محل پر بند رہتے ہیں۔ان کو عام سمجھ کر مسئلہ استمد اد ثابت کرنا ڈبل غلطی ہے۔

تعجب: مولوی پھلواری صاحب نے میت کے قبر میں قرآن پڑھنے پر تعجب کیا ہے اور زندہ کے قرآن پڑھنے پر تعجب نہیں کیا۔تو گویا روح کا معاملہ ان کے نزدیک بھی خرق عادت ہے چنانچہ صفحہ ۱۳ میں ہم نے کہا تھا۔کہ اس کا ذکر مولوی پھلواری صاحب کی طرف سے آئندہ آئے گا لیکن تعجب ہے کہ مولوی پھلواری صاحب باوجود خرق عادت ماننے کے اسکو اپنے محل پر نہیں رکھتے حالانکہ خرق عادت کو اپنے محل پر بند رہنا چاہئے چنانچہ صفحہ ۱۲ میں تفصیل ہو چکی ہے۔

تنبیہ: ''وسیلہ بزرگاں'' کے نام سے ہم نے ایک رسالہ لکھا ہے اس میں ہم نے مسئلہ استمد اد

کو بڑی وضاحت سے ذکر کیا ہے۔اگر کسی صاحب کو زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو اس کو دیکھیں پھلواری: حضرات! جب روح کے ادراک وشعور وعلم سیر وتصرف کا مسئلہ ہو چکا تو اب اسی سے استمداد کے مسئلہ کو سمجھ لینا چاہئے۔

انبیاء واولیاء جس طرح اس دنیاوی زندگی میں واسطہ ووسیلہ **بین الخلائق و المخلوق اور مظهر عون الهی** ہوتے ہیں اوران کے فیض صحبت وبرکات وجود وہمت وتصرف سے اوران کے توسل وتشفع سے مخلوق اپنے دینی ودینوی مقاصد میں کامیاب ہوتی ہے ۔اسی طرح اس ظاہری زندگی کے بعد بھی عالم برزخ و روحانیات میں وہ مظاہر عون الٰہی ہوتے ہیں۔اوران کے روحانی فیوض وبرکات اوران کے توسل وتشفع سے حل مشکلات وقضائے حاجات ہوتی رہتی ہے۔قاضی الحاجات وحلال مشکلات ہر حالت میں صرف وہی خدائے واحد ہے جس کی ہستی و طاقت وقدرت کے سوا کسی کی ہستی اور قدرت اور طاقت نہیں **لاحول ولا قو ۃ الابالله** پس یہ اولیاء وسیلہ محض اور صرف واسطہ ہوتے ہیں۔جس میں ان کی حالت حیات وحالت موت دونوں برابر ہے۔اسی لئے حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس سے استمداد اس کی زندگی میں ہوسکتا ہے اس سے اس کے مرنے کے بعد بھی درست ہوگا۔'' رسالہ سماع موتی واستمداد صفحہ ۱۲۳

جواب: اللہ تعالی مشرکوں کی بابت فرماتا ہے:۔

اولئك الذين يدعون يبتغون الى ربهم الوسيلة ايهم اقرب (الايه)

یعنی ''جن کو یہ مشرک پکارتے ہیں۔وہ خود وسیلہ ڈھونڈتے ہیں''

اور اس پکارنے کو دوسری جگہ عبادت کہا ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت میں صفحہ ۱۴ میں گزر چکا ہے۔اور عبادت کی وجہ کفار یہ بیان کرتے تھے کہ **ما نعبد هم الا ليقربونا الى الله زلفى.**

''ہم غیر اللہ کی عبادت اسلئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کی طرف نزدیک کردیں''

اور دوسری جگہ ہے:۔

ویقولون ھؤلاء شفعاء نا عنداللہ

یعنی ''کفار کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں''

اب اسی طرح آپ کہتے ہیں کہ یہ وسیلہ ہیں اور واسطہ ہیں ذرا سوچئے کہ آپ کیا خیالات ظاہر کررہے ہیں۔ آپ لوگ قرآن وحدیث میں کوشش نہیں کرتے اسلئے ایسے بے خبر رہتے ہیں پھر لطف یہ ہے کہ اتنا بڑا دعویٰ کر کے دلیل ندارد۔ نہ امام غزالیؒ کے قول میں کوئی دلیل مذکور ہے نہ آپ نے ان کی کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ بھلا ایسی بے تکی ہانکنے سے کیا فائدہ؟

قبر کو بوسہ دینا نصاریٰ کی عادت ہے

خصوصاً جبکہ خود امام غزالیؒ احیاء العلوم جلد 4 صفحہ 419 میں لکھتے ہیں۔

والمستحب فی زیارۃ القبور ان یقف مستدبر القبلۃ مستقبلا بوجھہ المیت وان یسلم ولا یمسح القبر ولا یمسہ ولایقبلہ فان ذلك من عادۃ النصاریٰ .

یعنی ''قبر کی زیارت میں مستحب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف پیٹھ اور میت کی طرف منہ کرے اور سلام ڈالے اور قبر کو مسح نہ کرے اور نہ چھوئے اور نہ بوسہ لے۔ کیونکہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے''

دیکھئے! اس عبارت میں قبر والے کی تعظیم سے روکا ہے اور اس کو نصاریٰ کی عادت قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ بوسہ قبر کی بھی اجازت نہیں۔ نہ مسح کی اجازت ہے اور نہ چھونیکی بھلا بتلایئے۔ ایسی حالت میں وہ قبر والے کو وسیلہ پکڑنا اور اس سے حاجات طلب کرنا اور

مرادیں مانگنا کس طرح جائز سمجھیں گے۔

اس کے علاوہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے دلیل الطالب کے صفحہ ۱۵۵ الغایت ص ۱۵۹ میں اور فتاوٰی جلد ۲ صفحہ ۹ الغایت صفحہ ۲۲ امام غزالیؒ وغیرہ کی بابت لکھا ہے کہ ان کی حالت اچھی نہ تھی۔ ان کے خاتمہ کی بابت کئی علماء نے لکھا ہے کہ بخاری شریف چھاتی پر رکھ کر فوت ہوئے ہیں جس سے ان کا یہ مطلب تھا کہ میں اس عقیدہ پر مرتا ہوں جو بخاری میں ہے۔ یعنی پرانے عقیدہ پر جو سلف کا عقیدہ ہے۔ اور بخاری کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے استسقاء میں کہا کہ یا اللہ! پہلے ہم تیرے نبی سے وسیلہ پکڑتے تھے اب تیرے نبیؐ کے چچے (عباسؓ) سے وسیلہ پکڑتے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سلف فوت شدہ بزرگوں سے وسیلہ پکڑنے کے قائل نہ تھے۔ پس وفات کے وقت امام غزالیؒ کا بھی یہی عقیدہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ بخاری چھاتی پر رکھ کر فوت ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو شرح فقہ اکبر ملا علی قاری، فتاوٰی نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم جلد ۲ صفحہ ۲۰ وغیرہ۔

پھلواری:۔ طالبان حق اور سالکان طریقت کا اصل مشرب ومسلک استمداد میں یہ ہے کہ وہ اپنے پیروں اور بزرگوں کے آگے نہ اس دنیاوی زندگی میں اپنی دنیاوی ضروریات وحاجات لیجاتے تھے۔ اور نہ انکے مرنے کے بعد ان سے دنیاوی منتیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔ بلکہ جس طرح وہ ان کی حیات ظاہری میں اپنے سیر سلوک میں ان کو ممد کار سمجھتے تھے۔ اور ان سے روحانی استفاضہ کرتے تھے۔ اسی طرح انکے انتقال مکانی کے بعد بھی ان سے روحانی استفاضہ واستغاثہ کرتے اور کشود کار و فتح باب ووصول الی اللہ کے لئے اپنی روح کو ان کی روح کیطرف متوجہ کر کے فیض ومدد لیتے اور ان کے وسیلہ سے منزل مقصود تک پہنچتے ہیں۔

(رسالہ سماع موتی واستمداد صفحہ ۱۶)

جواب : جوآپ کے خیال میں طالب حق اور سالک طریقت ہیں انکا مشرب و مسلک استمداد میں اگر چہ یہی ہوگا۔ جوآپ کہتے ہیں۔مگر چونکہ قرآن وحدیث میں اس پر کوئی دلیل نہیں اور نہ سلف سے ثابت ہے۔اس لئے یہ بدعت ہے۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں **من احدث فی امرنا ھذا فھو رد** ۔یعنی" جو ہمارے دین میں نیا کام نکالے وہ مردود ہے"

اسکے علاوہ حدیث میں وارد ہے کہ جب بیٹا آدم کا فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوۃ وغیرہ۔پس آپ کا برزخی حالت کو دینوی زندگی کی طرح قرار دینا اس حدیث کی مخالفت ہے۔اللہ آپ کو راہ راست کی توفیق بخشے اور قرآن وحدیث کی مخالفت سے بچائے آمین۔

پھلواری:۔ باقی رہے عوام مسلمانان انکا طرز استمداد اہل قبور سے بے شک حد افراط تک پہنچ جاتا ہے اور یہ طریق احسن نہیں ہوتا۔اور وہ ضرور قابل اصلاح ہے۔مگر اس کی وجہ سے نفس مسئلہ پر کوئی برا اثر نہیں پڑ سکتا۔اور جہاں تک دریافت حال کا پتہ لگتا ہے۔کوئی عام مسلمان بھی بزرگوں اور پیروں کو مستقل حاجت روا یا مشکل کشا اور مستعان حقیقی نہیں سمجھ سکتا۔ (**معاذاللہ من ذلك**) بلکہ ان کو واسطہ ووسیلہ وسبب وذریعہ ہی سمجھتا ہے۔اور نعوذ باللہ جو ان کو مستقل سمجھے یا وسیلہ مان کر وسیلہ ہونے کی حیثیت سے بڑھا کر ان کی پرستش وعبادت کرنے لگے۔(جیسا کہ مشرکین وکفار کا حال ہے) تو وہ بے شک بالقطع کافر ومشرک ہے۔

(رسالہ سماع موتی واستمداد صفحہ ١٦)

غیر اللہ کو پکارنا ان کی عبادت ہے

جواب: ابھی صفحہ ٦٤ میں گزرا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو کفار ومشرک تھے

وہ اپنے بزرگوں کو وسیلہ اور سفارشی سمجھتے تھے۔ مستقل نہیں سمجھتے تھے۔ اور استمداد کے طور پر ان کو پکارتے تھے۔ اور اس پکارنے کو خدا تعالیٰ نے ان کی عبادت کہا ہے۔ چنانچہ یہ بھی صفحہ ۴۱ میں گزر چکا ہے۔ پس اس لحاظ سے اس زمانہ میں جو لوگ مردوں کو پکارتے ہیں اور ان سے استمداد چاہتے ہیں یہ بھی ان ہی جیسے مشرک ہوئے۔ بلکہ اس زمانہ کے مشرک ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ کے مشرک کشتی یا جہاز ڈوبنے کے وقت بھی پیروں ہی کو پکارتے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے مشرک ایسے نہ تھے۔ وہ سخت مصیبت کے وقت خالص خدا ہی کو پکارتے تھے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

فاذا ركبوا فی الفلك دعوا الله مخلصين له الدين (پ ۱۱)

یعنی ’’جب یہ کفار کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص خدا ہی کو پکارتے ہیں‘‘

پھر آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ’’کوئی عامی مسلمان بھی بزرگوں اور پیروں کو مستقل حاجت روا یا مشکل کشا یا مستعان حقیقی نہیں سمجھ سکتا‘‘ کیونکہ جو واقعی مسلمان ہیں خواہ عامی ہوں یا خاصی ہوں وہ تو غیر خدا کو مستقل یا حقیقی نہیں سمجھ سکتا لیکن جو لوگ پیروں کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں وہ عوام تو کیا خواص بھی مستقل سمجھتے ہیں۔

غوث اعظم اور تفریح الخاطر

اور اس بارے میں ان کی تصانیف موجود ہیں لیجئے ہم عربی میں مصر کی چھپی ہوئی ایک کتاب آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ جس کا نام تفریح الخاطر فی مناقب تاج الاولیاء ہے۔ اس میں کئی اس قسم کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں۔ جو مستقل سمجھنے پر دلالت کرتے ہیں۔ سب کے نقل کرنے کی تو یہاں گنجائش نہیں ہاں بطور نمونہ ایک آدھ نقل کئے دیتے ہیں۔ کتاب مذکور کے صفحہ ۱۵ میں ہے۔

غوث اعظم (شاہ عبد القادر جیلانیؒ) ایک محلہ میں گزرے۔ ایک مسلمان اور

ایک عیسائی کو جھگڑا کرتے دیکھا۔ان سے جھگڑے کی بابت پوچھا،مسلمان نے کہا یہ عیسائی کہتا ہے کہ ہمارے نبی افضل ہے میں کہتا ہوں ہمارا نبی افضل ہے۔غوثؒ نے عیسائی کو کہا تو کس دلیل سے عیسیٰ علیہ السلام کو افضل کہتا ہے۔کیا وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔غوثؒ نے کہا میں نبی نہیں محمد ﷺ کا ادنیٰ خادم ہوں۔اگر میں مردہ زندہ کر دوں تو کیا تو محمد ﷺ پر ایمان لے آئے گا؟ عیسائی نے کہا ہاں غوثؒ نے کہا مجھے ایک پرانی قبر دکھا جب قبر پر آئے تو عیسائی کو کہا تمہارے نبی مردے کو زندہ کرتے وقت کس خطاب کے ساتھ زندہ کرتے،عیسائی نے کہا قم باذن اللہ کہتے۔غوثؒ نے کہا اس قبر والا گویا تھا اگر تو چاہے تو میں اس کو اسی حال میں گاتا ہوا اٹھاؤں ؟ عیسائی نے کہا ہاں،غوثؒ نے قبر کی طرف متوجہ ہو کر کہا قم باذنی یعنی ''میرے حکم سے اٹھ'' اسی وقت قبر پھٹ گئی اور میت گاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔جب عیسائی نے یہ حالت دیکھی تو اسی وقت غوثؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔''

گویا غوث اعظم عیسیٰ علیہ السلام سے بڑھ گئے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام باذن اللہ کہہ کر خدا کے حکم اور خدا کے سہارے مردوں کو زندہ کرتے ،غوث اعظم کو اس کی ضرورت نہ تھی بلکہ وہ باذنی کہہ کر اپنے حکم سے زندہ کرتے اور جب محمد ﷺ کے ادنیٰ خادم کا یہ حال ہے تو محمد ﷺ خدا سے بھی بڑھ کر ہوں گے۔معاذ اللہ ابھی اور سنئے !:۔

غوث اعظم کا اللہ تعالیٰ کو مجبور کرنا

اسی کتاب کے صفحہ ۳۹ میں ہے غوثؒ کے پاس اولاد کی خاطر ایک عورت آئی اور درخواست کی کہ آپ دعاء کریں خدا اولاد دے۔غوث نے مراقبہ کر کے لوح محفوظ پر نظر ڈالی تو اس میں اس کے لئے اولاد نہ لکھی تھی۔غوث نے خدا سے اس عورت کے لئے دو اولادیں مانگیں،خدا سے آواز آئی کہ لوح محفوظ میں اس کے لئے ایک بھی نہیں آپ دو کہتے ہیں۔غوث نے کہا تین دیدے پھر ندا آئی کہ لوح محفوظ میں ایک بھی نہیں آپ تین کہتے ہیں۔

غوث نے کہا چار دیدے۔ خدا سے پھر پہلی طرح آواز آئی۔ غوث نے کہا پانچ دیدے۔ خدا سے پھر وہی آواز آئی ،غوث نے کہا چھ دیدے۔ خدا سے پھر وہی آواز آئی ،غوث نے کہا سات دیدے آکر خداتعالی نے کہا،اے غوث اب زیادہ نہ کرسات کافی ہیں پس غوث نے اس عورت کوتھوڑی سی مٹی دی۔ عورت کواس وقت غوث پر بڑااعتقاد تھا۔اس نے یہ مٹی چاندی کےتعویذ میں ڈال کر گلے میں لٹکالی۔ خدانے اس عورت کوسات بیٹے دیئے پھراس عورت کا اعتقادغوث کے بارے میں بدل گیا۔ کہنے لگی اس مٹی کی کیا ضرورت ؟ بس اتنا کہتے ہی ساتوں بیٹے مرگئے پھروہ عورت فریاد کرتی ہوئی غوث کے پاس آئی غوث نے کہا وہی زمانہ تھا اب فریاد کرنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ اورایک روایت میں ہے غوث نے کہا اپنے گھر لوٹ جا۔ جس اعتقاد کے ساتھ تو ہمارے پاس آئی وہی ہوگا۔ جب وہ گھر آئی تو ساتوں کوزندہ پایا''

دیکھئے! غوث اعظم اتنے زبردست ہیں کہ خدا کے لکھے کوبھی مٹا دیتے ہیں۔ اور خدا کولوح محفوظ کے خلاف مجبور کرسکتے ہیں۔

منکرنکیراورغوث اعظم

اس کےعلاوہ اورسنیئے !اس کتاب کے صفحہ ۱۴۱ میں ہے کہ:۔

ایک شخص غوث کے مریدوں سے غوث کی محبت میں فنا بقا کے درجے کو پہنچ گیا۔ جب وہ مرگیاتواس کودفن کیا۔ منکرنکیر آئے ،انہوں نے سوال کیا۔ تیرارب کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ تیرادین کیا ہے؟ کہا میں اپنے شیخ عبدالقادر جیلانی کےسوا کچھ نہیں جانتا۔ منکرنکیر حیران ہوگئے اورخدا کے پاس عرض کی یااللہ! تو خوب جانتا ہے کہ تیرا یہ بندہ اسطرح اسطرح کہتا ہے۔ خدانے حکم دیا کہ اس کوعذاب دو۔ جب وہ عذاب دینے لگےتو اسی وقت حضرت غوث ظاہر ہوگئے ،اورمنکرنکیر کوکہا اگر یہ خدااور رسول اوراپنے دین کونہیں جانتا تو مجھے تو جانتا ہےاورمیرے تابع

ہےاور جس شئے کا تم نے اس سے سوال کیا ہے۔ میں اس کی طرف سے سب کچھ جانتا ہوں پس میری خاطر اس کو چھوڑ دو فرشتوں نے پھر خدا کے پاس درخواست کی کہ یا اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ تیرا بندہ عبدالقادر اسطرح اسطرح کہتا ہے۔ خدا نے دوبارہ اس بندے کو عذاب کا حکم دیا جب منکر نکیر عذاب دینے لگے تو غوث نے ان کی گرز پکڑلی۔ اور کہا (خبردار) اسکے نزدیک نہ آنا ورنہ عشق کی آگ سے جنت دوزخ کو جلا کر (راکھ) کردوں گا۔ آخر خدا کی طرف سے آواز آئی چھوڑ دو، عذاب نہ دو۔ (غوث اس وقت مست ہے، مستی میں کوئی خرابی نہ کردے)

ناظرین خیال فرماویں! کہ مولوی پھلواری صاحب کہتے ہیں کہ کوئی عامی مسلمان بھی بزرگوں کو مستقل حاجت روانہیں سمجھتا اور یہاں خاصوں کی یہ حالت ہے۔ کہ ان کے اعتقاد میں خدا بزرگوں سے دب جاتا ہے۔ اور خدا اور رسول اور دین الٰہی کی پہچان کی بھی کوئی ضرورت نہیں سب کارخانہ کا مختار بزرگ ہی کو سمجھ لینا کافی ہے بلکہ جو کچھ ہے وہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توہین

اس بنا پر بریلویوں کی مشہور کتاب شموس القادریہ الحیل الوہابیہ کے صفحہ ۲۰ میں رسول اللہ ﷺ کی بابت لکھا ہے:۔ آپ من کل وجوہ متصف بصفات باری عز اسمہ کے ہیں۔ یعنی آپ الہ رب العالمین وغیرہ کے تمام اوصاف سے موصوف ہیں۔ اور مولوی ارشاد حسین رامپوری کے بھائی جو بریلوی خیالات کے تھے۔ انہوں نے جامع مسجد رام پور میں وعظ کیا جو میں نے اپنے کانوں سے سنا۔ اس میں سورت فاتحہ پڑھ کر کہا کہ حمد محمد ﷺ کو ہے **الله رب العالمین ،ملك یوم الدین** یہ سب محمد ﷺ کے اوصاف ہیں۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

محمد سر قدرت ہے کوئی رمز اس کی کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

پھر اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ لوگ ''حقیقت میں خدا جانے'' کو ملا کر پڑھتے ہیں

بلکہ یوں پڑھنا چاہئے۔ ''حقیقت میں خدا'' اوراس کے بعد ''جانے'' کے لفظ کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اس بات کو جانے اور یہی اعتقاد رکھے۔ اس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ جو کہا کرتے ہیں۔

جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر اتر پڑا وہ مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر

نصاری کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اصل میں خدا ہیں۔ جو لاہوت سے ناسوت میں آ گئے ہیں۔ یعنی الوہیت کے مقام سے انسانی صورت میں ظاہر ہو گئے اس پر قرآن میں انکو کافر کہا گیا۔ اسی طرح یہ لوگ بھی کافر ہیں، خدا انکو ہدایت کرے آمین۔

پھلواری: مسلمانوں کا تو اصلی اور سچا عقیدہ یہ ہے کہ وہ نہ زندوں کو کسی امر میں مستقل سمجھتے ہیں۔ اور نہ مردوں کو یہ خوب یاد رکھو۔ کہ اگر کوئی شخص دنیا میں کسی دوا کو نافع یا ضار حقیقی کسی طبیب وڈاکٹر کو شافی اصلی کسی بادشاہ یا امیر یا اپنے آقا کو رازق مستقل، یا کسی زندہ ولی بزرگ کو قاضی الحاجات بالذات یا اپنے کسی معاون و مددگار کو حقیقی معاون مددگار سمجھے تو ایسے اعتقاد والا انسان بھی ویسا ہی قطعی ملحد و مشرک ہے۔ جسطرح کسی مردہ کے ساتھ مستقل حاجت روا ہونے کا اعتقاد رکھنے والا مشرک ہے۔ (رسالہ سماع موتی واستمداد صفحہ ۱۷)

جواب: اوپر آپ کو معلوم ہو چکا کہ جو اس زمانے میں پیروں فقیروں کے دام میں ہیں وہ اسقدر ترقی کر گئے ہیں کہ بزرگوں کو مستقل سمجھنے لگے ہیں۔ پس وہ تو آپ کے نزدیک بھی ملحد اور مشرک ہوئے، آگے چلئے۔

پھلواری: اور جو استقلال کا اعتقاد کسی کے متعلق نہیں رکھتا بلکہ ہر ایک فعل اور ہر ایک طاقت وقدرت کی نسبت جو غیر خدا کیطرف ہو اس کو نسبت مجازی سمجھتا ہے۔ اور فاعل حقیقی کسی فعل کا خدا کے سوا کسی ذات یا شئے کو نہیں سمجھتا۔ اطباء کو ذریعہ صحت و شفاء۔ ادویہ کو اسباب نفع و

ضرر۔ امراء وسلاطین کوذ ریعہ رزق۔نوکری و پیشہ وغیرہ کوواسطہ روزی اورانبیاء واولیاء کواس زندگی میں یااس عالم میں حیاپتامحض وسیلہ وواسطہ حل مشکلات وقضائے حاجات سمجھتا ہے۔تو ایسے اعتقادوالاآدمی سچااور پکامسلمان ہےاوروہ حکم خداوندی **وابتغوا الیه الوسیلة** (خدا کی طرف وسیلہ ڈھونڈو) پرعمل کرتا ہے کیونکہ یہ توسل مستحبات ومندوبات شرعیہ سے ہے چنانچہ ابن حافظ شمس الدین جزری محدث اپنی مشہور ومقدس کتاب حصن حصین میں آداب الدعاء کے تحت لکھتے ہیں۔

وان یتوسل الی الله تعالی بانبیاء ہ (خ.ہ.مس)والصالحین من عبادہ(خ)

(انبیاءاور بزرگوں کےساتھ خدا کی طرف وسیلہ پکڑے)

پھرعلامہ مؤلف اپنی شرح مفتاح حصن حصین میں اس مقام پرلکھتے ہیں **هو من المندوبات** (یہ وسیلہ پکڑنا مستحبات سے ہے)اوردلائل جواز وندب کی حدیثوں کوذکر کرتے ہوئے ضریرالبصر (نابینے)والی حدیث کاان الفاظ میں ذکرفرمایا ہے۔

ولحدیث عثمان بن حنیف فی شان الاعمی رواہ الحاکم فی مستدرکه الصحیح وقال صحیح علی شرط الشیخین والترمذی وقال حدیث حسن صحیح غریب رویناہ فی الحصین (جرز الثمین للعلاعلی قاری برحاشیه حصن حصین صفحہ۱۸

عثمان بن حنیف کی حدیث اس توسل کی دلیل ہے۔جوایک نابینے کی بابت آئی ہے حاکمؒ نے اسکوروایت کیا ہےاورصحیح کہا ہے۔اورترمذیؒ نے بھی اس کوروایت کیا ہےاور حسن غریب کہا ہے۔ہم نے اس کوحصن حصین میں روایت کیا ہے۔

امام جزری نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے۔اورجس کی نسبت فرماتے ہیں کہ میں نے حصن حصین میں بھی اس کی روایت کی ہے۔یہ وہی مشہور ومعروف حدیث

ہے۔جس سے وہابیت ونجدیت کے گلے پر ایک دم چھری پھر جاتی ہے۔اور توسل استغاثہ وتشفع واستمداد کا جواز وثبوت خاص تعلیم نبویؐ سے نکل آتا ہے وہ حدیث یوں ہے کہ ایک اعمٰی (نابینا) آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری آنکھوں کی روشنی کیلئے دعاء فرمائی جائے۔حضور ﷺ نے اسے یہ دعا تعلیم فرمائی:۔

اللهم انی اسئلك واتوجه اليك نبيك محمد نبی الرحمة یامحمد انی اتوجه بك الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی لی اللهم فشفعه فی[1] (حصن حصین صفحه ۱۳۵) رواه الترمذی (جلد۲صفحه ۱۹۷)ومسند احمد (ج ۴ صفحه ۱۳۸) وصححه والنسائی وابن ماجه والحاکم فی المستدرك وصححه علی شرط الشیخین و رواه البیهقی فی الدلائل وفی کتاب الدعوات باسناد صحیح(شفاء السقام للامام السبکی صفحه ۱۲۳)

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی کو تیری طرف متوجہ کرتا ہوں۔جو رحمت کا نبی ہے۔اے محمدؐ میں تجھ کو اپنی ضرورت کے لئے رب کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔تا کہ وہ ضرورت پوری کیجائے۔اے اللہ! نبی کی سفارش میرے حق میں قبول کر۔روایت کیا اس کو ترمذی نے نیز ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے نیز نسائی اور ابن ماجہ نے اس کو روایت کیا ہے اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور بخاری مسلم کی شرط پر اسکو صحیح کہا ہے۔

حاشیہ نمبر 1: ترجمہ یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔اور متوجہ ہوتا ہوں تیری طرف تیرے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے جو رحمت کے نبی ہیں یا محمد ﷺ میں خدا کی طرف تیرے ذریعے یا وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں۔اپنی اس حاجت میں۔تا کہ پوری ہو میری حاجت۔اے اللہ اسکی یعنی رسول اللہ ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول کر۔" یہ ترجمہ مولوی پھلواری نے کیا ہے۔مگر ٹھیک نہیں ٹھیک ترجمہ وہ ہے جو ہم نے عربی عبارت کے سامنے متن لکھا ہے۔

چنانچہ اس شخص نے حسب تعلیم نبوی ﷺ انہی الفاظ سے دعاء کی اور آنکھیں اس کی روشن ہوگئیں۔

صحابہؓ اس دعا کی تعلیم بعد وفات رسول خدا ﷺ کے بھی حاجتمندوں کو کرتے تھے۔ اور لوگوں کی حل مشکل اسکے ذریعہ سے ہوا کرتیں۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے زمانہ خلافت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالی عنہ میں ایک شخص کو جسے حضرت خلیفہ سوم سے ایک حاجت تھی۔ اور وہ متوجہ نہ ہوتے تھے۔ یہی دعاء بتلائی اور اس کے پڑھنے سے کامیاب ہوا۔ اس واقعہ کو طبرانی نے بسند معتبر کئی طریق سے روایت کیا ہے۔

رواه الطبرانی فی المعجم الكبير فی ترجمة عثمان بن حنيف وذلك فی الجزء الخمسين ورواه البيهقی باسناده من طريقين (شفاء السقام للسبكی مطبوعه حيدر آباد صفحه ١٢٥

طبرانی نے اس کو معجم کبیر میں عثمان بن حنیف کے ترجمہ میں روایت کیا ہے اور یہ پچاسویں جزء میں ہے۔ اور بیہقی نے اپنی اسناد کے ساتھ دو طریق سے ورایت کی ہے۔

اور معجم صغیر میں بھی روایت کر کے خود امام طبرانی نے اس کو حدیث صحیح فرمایا ہے (دیکھو معجم صغیر مطبوعہ مصر صفحہ ۱۰۳) اسی لئے محدثین اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے باب یوں قائم کیا کرتے ہیں۔

باب من كان له حاجة الى الله او الى احد من خلقه .

باب ہے اسکا کہ جس کسی کو خدا کی طرف یا مخلوق کی طرف حاجت ہو۔

صاحب حصن حصین نے بھی یوں فرمایا ہے۔

ومن كانت له ضرورة فليتوضا فيحسن وضوءه ثم يصلی ركعتين ثم يدعوا اللهم انی اسئلك.......... الخ

جس شخص کوکوئی ضرورت ہووہ اچھی طرح وضوکر کے دورکعت نماز پڑھے، پھر دعا کرے اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں الخ

ملاعلی قاری فرماتے ہیں۔

قوله ضرورة ای حاجة ملجئة الی الله او الی احد من خلقه .

ضرورت سے مراد کوئی ایسی حاجت ہو جو اللہ کیطرف یا کسی مخلوق کی طرف لا چار کردے

جواب: اللہ عز وجل نے جیسے جیسے اسباب بنائے ہیں۔ ویسے ویسے سمجھے تو بیشک وہ سچا اور پکا مسلمان ہے اگر ویسے نہ سمجھے تو کسی صورت وہ سچا مسلمان نہیں ہوسکتا۔ مثلاً زندگی میں کسی بزرگ کا وسیلہ پکڑنا یعنی اس سے دعاء منگوانا ثابت ہے چنانچہ حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کے ساتھ وسیلہ پکڑنا صفحہ ۴۰، ۴۱ میں ذکر ہو چکا ہے۔ تو اس قسم کا وسیلہ پکڑنے والا بیشک سچا اور پکا مسلمان ہے۔ لیکن وفات کے بعد تو نہ اس قسم کا وسیلہ ثابت ہے۔ کہ بزرگوں کو کہیں کہ ہماری فلاں ضرورت پوری کردو۔ اور نہ اس قسم کا ثابت ہے کہ بزرگوں کو کہیں کہ ہماری فلاں ضرورت کے لئے خدا کے حضور دعاء کرو چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام میں صفحہ ۴۱۔ ۴۳ پر اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے کلام میں صفحہ ۶ پر گزر چکا ہے۔ اور آیت کریمہ **وابتغوا الیه الوسیلة** کا یہ مطلب نہیں۔ کہ جس قسم کا وسیلہ چاہو ڈھونڈو۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے کفار اور مشرک بھی تو یہی کہتے تھے کہ ہمارے بزرگ ہمارے سفارشی ہیں۔ اور اللہ کی طرف نزدیک کرنے والے ہیں۔ جیسے صفحہ ۴۶ میں گزر چکا ہے بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا قرب ڈھونڈو۔ چنانچہ تفسیروں میں اس کی تصریح کی ہے ملاحظہ ہو جامع البیان اور معالم التنزیل وغیرہ اور قرآن مجید سے بھی یہی معنی ثابت ہوتے ہیں جیسے ارشاد ہے۔

اولئك الذين يدعون يبتغون الی ربهم الوسيلة

یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں۔ وہ اللہ کی طرف قرب ڈھونڈتے ہیں جونسا زیادہ نزدیکی ہے۔

وسیلہ کا معنی

اس آیت میں وسیلہ کے معنی قرب کے ہیں۔ کیونکہ جو زیادہ نزدیکی ہے۔ جب وہ بھی وسیلہ کا طالب ہے۔ تو وسیلہ سے مراد بزرگ تو ہو نہیں سکتا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ اس بزرگ کے لئے بھی کوئی دوسرا اس سے بڑا بزرگ وسیلہ ہو۔ پھر دوسرے کے لئے تیسرا اور تیسرے کے لئے چوتھا الی غیر النہایہ اور یہ باطل ہے پس یہاں قرب ہی کے معنی درست ہو سکتے ہیں۔ پس قرآن مجید سے بھی وسیلہ کے معنی قرب ہی کے ثابت ہوئے۔ اور لغت میں بھی یہی معنی لکھے ہیں۔ ملاحظہ ہو قاموس۔

رہی حدیث اعمیٰ جو آپ نے حصن حصین وغیرہ کے حوالہ سے ذکر کی ہے۔ سو وہ آپ کی حیات سے تعلق رکھتی ہے وفات کے بعد نہیں۔ کیونکہ وہ نابینا رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں حضور کے پاس آیا وفات کے بعد نہیں آیا۔ زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو ہمارا رسالہ وسیلہ بزرگاں ملاحظہ ہو۔

خلافت عثمانؓ کے واقعہ کی حقیقت

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا جو واقعہ آپ نے لکھا ہے وہ ضعیف ہے اور اس کی اسناد میں شبیب بن سعید مکی ہے اسکی بابت تقریب میں لکھا ہے:۔

لا باس بحدیثه من روایة ابنه احمد عنه لا من روایة ابن وهب .

یعنی ''اسکا بیٹا احمد اس سے روایت کرے تو اس کی روایت کے ساتھ کوئی ڈر نہیں نہ جب کہ ابن وہب اس سے روایت کرے''

اور میزان الاعتدال میں ہے؛

اذا حدث عنه ابنه احمد باحادیث یونس فکانه شبیب اخر یعنی یجود .

یعنی اس کا بیٹا احمد اس سے یونس کی احادیث روایت کرے تو وہ کھری ہوتی ہیں۔

اور طبرانی کی حدیث میں نہ تو شبیب کا استاد یونس ہے نہ شاگرد بیٹا ہے۔ بلکہ استاد روح بن القاسم ہے۔ اور شاگرد ابن وھب ہے۔ پس یہ ضعیف ہوئی۔ اور امام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ نے قاعدہ جلیلہ میں بحوالہ بیہقی اسکے بیٹے سے بھی یہ روایت ذکر کی ہے لیکن بیٹے سے نیچے راویوں کا حال معلوم نہیں نیز اس میں استاد شبیب کا وہی روح بن القاسم ہے نہ یونس پس یہ بھی ضعیف ہوئی۔

یہ روایت شاذ ہے

بلکہ شبیب کی اسناد میں ایک اور ضعف بھی ہے جس کا اثر دونوں پر پڑتا ہے یعنی شبیب سے روایت کرنے والا خواہ بیٹا ہو یا ابن وھب ہو۔ دونوں صورتوں کو یہ ضعف شامل ہے۔ وہ یہ کہ شبیب بن سعید نے ابو جعفر کا استاد ابوامامہ بن سہل بتلایا ہے جیسے طبرانی اور بیہقی میں ہے۔ اور شعبہ اور حماد بن سلمہ نے ابو جعفر کا استاد عمارہ بن خزیمہ بتلایا ہے۔ جیسے مسند احمد اور بیہقی میں ہے۔ پس شبیب بن سعید کی اسناد میں شذوذ ہوا کیونکہ شعبہ اور حماد بن سلمہ شبیب بن سعید سے ثقاہت میں زیادہ ہیں نیز یہ دو ہیں اور شبیب بن سعید اکیلا ہے اور اس قسم کی مخالفت کو شذوذ کہتے ہیں اور شاذ ضعیف ہوتی ہے ہاں اگر شبیب بن سعید کی موافقت کسی ثقہ نے کی ہو تو یہ شذوذ دور ہو جائے گا مگر موافقت ثابت نہیں ہوئی قاعدہ جلیلہ میں بحوالہ بیہقی ذکر کیا ہے کہ ہشام دستوائی نے ابی جعفر سے اس نے ابوامامہ سے اس کو روایت کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہشام نے شبیب کی موافقت کی ہے، لیکن قاعدہ جلیلہ میں یہ روایت ذکر کر کے کہا ہے کہ ہشام دستوائی سے نیچے اسکی اسناد ذکر نہیں کی۔ پس کیا معلوم

صحیح ہے یا ضعیف۔پس یہ موافقت غیر معتبر ہوگی۔اور اگر بالفرض معتبر ہوتی تو شذوذ تو بیشک دور ہو جاتا۔

یہ روایت مضطرب ہے

لیکن دوسری خرابی پیدا ہو جاتی وہ یہ کہ دونوں پلڑے برابر ہو جاتے یعنی دو راوی اِدھر ہوتے دو اُدھر ہوتے اور ایسے اختلاف کو اضطراب کہتے ہیں اور اضطراب بھی ضعف کا سبب ہے بہر صورت شبیب بن سعید کی اسناد کسی صورت صحیح نہیں ہو سکتی۔اور ابھی یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے یہ اسناد کا اختلاف ہے ابن تیمیہ علیہ الرحمہ نے قاعدہ جلیلہ میں اسناد اور متن دونوں میں اختلاف ذکر کیا ہے جس کی مرضی ہو وہاں دیکھ لے۔پس جب شبیب کی اسناد ضعیف ہوئی۔تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا واقعہ بھی ضعیف ہوا۔اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔کہ طبرانی نے جو کہا ہے والحدیث صحیح تو انکی مراد نفس حدیث ہے۔حضرت عثمانؓ کی خلافت کا واقعہ نہیں۔کیونکہ اس واقعہ کی اسناد ضعیف ہے۔ہاں اگر طبرانی اس ضعف پر مطلع نہ ہوئے ہوں تو یہ واقعہ بھی شامل ہو سکتا ہے۔لیکن اس صورت میں طبرانی کی بے خبری ماننی پڑے گی۔پس بہتر یہی ہے کہ ان کی مراد نفس حدیث ہو۔اور اس کی مؤید یہ بات بھی ہے کہ طبرانی نے والحدیث صحیح کہنے سے پہلے ایک دوسری اسناد ذکر کی ہے۔اور اس اسناد کے ساتھ نفس حدیث مروی ہے اس میں یہ واقعہ نہیں، طبرانی دیکھ کر اس کے بعد ترمذی، مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۳۸ وغیرہ دیکھیں تو آپ کو اس بات کی تصدیق ہو جائے۔

بہر صورت یہ واقعہ ضعیف ہے بلکہ بعض نے نفس حدیث کو بھی ضعیف کہا ہے۔

صیانۃ الانسان لعبد اللہ بن عبد الرحمان سندی صفحہ ۱۱۱ ملاحظہ ہو۔صیانۃ الانسان کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی اسناد میں ابو جعفر ہے اگر اس سے مراد عیسیٰ بن ابی عیسیٰ ماہان ہے۔جیسے حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں یہ خیال ظاہر کیا ہے۔

تو عیسی بن ابی ماہان اکثر کے نزدیک ضعیف ہے اور ابو جعفر مدائنی ہو تو میزان الاعتدال میں ہے کہ وہ جھوٹی احادیث بناتا ہے۔ اور اگر ابو جعفر مدنی جیسے ابن ماجہ اور طبرانی میں ہے تو یہ انصاری مدنی مؤذن ہوگا یا قاری مدنی یزید بن قعقاع ہوگا۔ اگر اول ہو تو اسکو خلاصہ اور تقریب میں مقبول کہا ہے اور یہ چھٹے درجے کے الفاظ سے ہے۔ جس راوی کے حق میں یہ لفظ کہا جائے۔ اسکی حدیث تائید وغیرہ کے لئے لکھی جاتی ہے استدلال کے قابل نہیں ہوتی اور اگر ثانی مراد ہو تو وہ بیشک ثقہ ہے۔ مگر جب تک تعیین نہ ہو حدیث پر صحت کا حکم نہیں ہوسکتا اور حاکم نے اگرچہ اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے مگر ان کا تساہل مشہور ہے۔ چنانچہ رسالہ بحرمت انبیاء میں بھی کچھ تفصیل ہوچکی ہے اسی طرح ابن خزیمہ اور ابن حبان کا اس حدیث کو اپنی اپنی صحیح میں ذکر کرنا اس کی صحت کو نہیں چاہتا کیونکہ توضیح الافکار میں عماد بن کثیر سے نقل کیا ہے کہ اگرچہ یہ دونوں حاکم سے اچھے ہیں۔ مگر ان کی اور ان جیسوں اور کی حدیث کو دیکھ بھال کر لینا چاہئے کیونکہ کئی حدیثیں ایسی ہیں۔ جن کو ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔ حالانکہ وہ حسن کے درجہ کو بھی نہیں پہنچتیں بلکہ ترمذی میں بھی کئی حدیثیں ایسی ہیں۔ جن کو ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ اور وہ حسن کے درجہ تک بھی نہیں پہنچتیں اور خلاصہ میں ابو جعفر انصاری مدنی مؤذن کی حدیث کی بابت ترمذی سے صرف حسن ہونا نقل کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ابو جعفر سے مراد ابو جعفر انصاری مدنی مؤذن ہو تو ترمذی کے نسخوں میں اختلاف ہے کیونکہ ترمذی کا نسخہ جو ہمارے ہاتھ میں ہے اس میں حسن کے ساتھ صحیح کا ذکر بھی ہے۔ نیز میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ اس ابو جعفر سے صرف یحیٰی بن ابی کثیر روایت کرتا ہے۔ اور ترمذی اور ابن ماجہ اور مسند احمد اور بیہقی وغیرہ میں اس حدیث کی اسناد میں ابو جعفر کا شاگرد شعبہ اور حماد بن سلمہ اور ہشام دستوائی بھی ذکر کیا ہے۔ اور طبرانی میں کہا ہے۔ کہ ابو جعفر سے مراد عمیر بن یزید ہے لیکن طبرانی میں ابو جعفر خطمی مدنی واقع

ہوا ہے اسلئے انہوں نے عمیر بن یزید سمجھا ہے۔لیکن ترمذی میں ہے کہ خطمی نہیں۔ نیز پہلے گزر چکا ہے کہ ابو جعفر کا استاد شبیب بن سعید نے ابوامامہ بن سہل بتلایا ہے۔اور شعبہ اور حماد بن سلمہ نے عمارہ بن خزیمہ بتلایا ہے۔اور ہشام دستوائی نے شبیب کی موافقت کی ہے لیکن اس سے نیچے کے راویوں کا حال معلوم نہیں۔اگر بالفرض وہ ثقہ ہوں تو دونوں پلڑے برابر ہو کر اضطراب ہو جائے گا اور مضطرب حدیث ضعیف ہوتی ہے۔غرض عجب کشمکش ہے۔

خیر یہ کشمکش تو نفس حدیث کی بابت ہے رہا واقعہ سو اس کے ضعف میں کوئی کلام نہیں پھر یہاں اور بڑی بحث ہے وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں اس شخص نے اس حدیث پر عمل رسول اللہ ﷺ کی قبر پر کیا یا دوسری جگہ؟ اور اب ہم اس حدیث پر عمل کہاں کریں۔مدینہ پہنچ کر یا جہاں چاہیں کر سکتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کی قبر پر قطع نظر اس سے کہ آپ سنتے ہیں یا نہیں اور سننے کے بعد آپ قبول کرتے ہیں یا نہیں اس حدیث پر عمل جائز نہیں۔کیونکہ حصن حصین میں کہا ہے۔کہ پہلے دو رکعت نماز پڑھے،اور نماز وہاں جائز نہیں۔کیونکہ آپ نے قبور انبیاء کو مسجدیں بنانے والوں پر لعنت کی ہے۔ملاحظہ ہو مشکوۃ وغیرہ اور اگر دوسری جگہ ہو تو دو صورتیں ہیں،یا تو رسول اللہ ﷺ کی روح حاضر و ناظر ہو۔یہ تو باطل ہے کیونکہ حاضر و ناظر صرف خدا کی ذات [1] ہے

حاشیہ نمبر ۱۔اسی لئے عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ التحیات میں رسول ﷺ کی وفات کے بعد **السلام علیك ایها النبی** کی جگہ **السلام علی النبی** کہتے اور جو **السلام علیك ایها النبی** کہتے وہ معراج کی یادگار قائم رکھنے کی نیت سے کہتے یا اس نیت سے کہتے کہ فرشتے پہنچا دیتے ہیں جیسے صفحہ ۱۵ سے صفحہ ۲۰ تک اس کی خوب تفصیل ہو چکی ہے لیکن درود و سلام کی بابت تو ایک حدیث میں آیا ہے کہ فرشتے پہنچا دیتے ہیں۔۱۲

یارسول اللہ ﷺ کو فرشتے پہنچادیں جیسے کوئی درود وسلام پڑھے تو فرشتے پہنچادیتے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱۶ میں گزرچکا ہے۔لوگوں کی حاجات کی بابت تو کوئی ذکر نہیں آیا۔کہ آپ کو فرشتے پہنچاتے ہیں۔پھر یہ بھی ذکر نہیں آیا۔کہ آپ ان کی حاجت روائی کی دعاء کرتے ہیں اور نہ یہ کہیں ذکر آیا ہے۔کہ خدا کی طرف سے آپ کو اس بات کا اذن ہے حالانکہ اذن کے بغیر آپ شفاعت نہیں کرسکتے۔کیونکہ آیۃ الکرسی میں ہے **من ذاالذی یشفع عندہ الا باذنہ** یعنی ''کون ہے جو خدا کے پاس بغیر اذن کے شفاعت کرے''۔بلکہ اگر قبر پر نماز جائز ہو اور آپ سنتے ہوں تو بھی اس بات کا ثبوت ضروری ہے کہ آپ کو اللہ کی طرف سے ہر حاجت طلب کرنے والے کے حق میں شفاعت کا اذن حاصل ہے اور اس بات کا ثبوت بھی ضروری ہے۔کہ جب آپ سے کوئی حاجت طلب کرتا ہے۔تو آپ اس کے لئے دعاء کرتے ہیں۔ودونہ فرط القتاد۔لیکن ثبوت کہاں؟ نہ قرآن وحدیث میں کہیں ذکر ہے نہ خیر قرون سے ثابت ہے۔ہاں جس طرح صحابہؓ نے اس حدیث پر عمل کیا اس سے ہمیں انکار نہیں وہ یہ کہ زندے بزرگ کا وسیلہ پکڑے۔اور رسول اللہ ﷺ کی جگہ اسی زندے بزرگ کا نام لے کر جیسے بارش کی دعاء کے وقت حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کا وسیلہ پکڑا تھا۔اور معاویہؓ نے یزید بن اسودؒ کا پکڑا تھا۔جس کی تفصیل صفحہ ۴۱۔۴۲ میں گزرچکی ہے۔اور صاحب حصن حصین نے رسول اللہ ﷺ کے نام کی جگہ دوسرے کا نام ذکر نہیں کیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ناقل ہیں یہ کام دعاء کرنے والے کا ہے۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے نووی مسلم پر باب باندھتے ہیں۔

باب توقیرہ وترک اکثار سوالہ عمالا ضرورۃ الیہ الخ یعنی ''باب ہے رسول ﷺ کی عزت کرنے کا اور بلاضرورت آپ سے سوال ترک کرنے کا'' اور اس باب میں وہی احادیث مذکور ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔جو مسئلہ میں

تمہیں بتلاؤں اس پر عمل کرو اور مجھے چھوڑو، جب تک میں تمہیں چھوڑوں کیونکہ پہلی امتوں کو نبیوں سے بہت سوال اور اختلاف ہی نے ہلاک کیا۔ یعنی تم مجھ سے اس کی طرح سوال نہ کرو۔ اور ظاہر ہے کہ وفات کے بعد تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مسئلہ مسائل کا سلسلہ بند ہے۔ تو اب اسطرح کا باب باندھ کر ان احادیث کا ذکر کرنا اس سے مطلب یہی ہے کہ آپ کے جانشین ربانی علماء سے بھی یہی برتاؤ کرنا چاہیے اور ان کی توقیر کرنی چاہیے۔ اور ربانی علماء کو بھی چاہیے کہ فرضی صورتیں نہ بنائیں ٹھیک اسی طرح صاحب حصن حصین کے باب باندھنے اور اسکے مناسب احادیث ذکر کرنے کو سمجھ لینا چاہیے اور صحابہؓ کا عمل اس کی تشریح کر رہا ہے۔ کہ وفات کے بعد آپ کی جگہ کسی دوسرے کا نام لینا چاہیے جو زندہ ہو اور سامنے موجود ہو جیسے حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کا وسیلہ پکڑا تھا اور معاویہؓ نے یزید بن اسودؓ کا پکڑا تھا، پس اب یہ مسئلہ آفتاب نیمروز کی طرح روشن ہو گیا اور روشنی کے بعد پتہ لگا کہ مولوی پھلواری صاحب جس گردن کو وہابیت کی گردن سمجھ کر چھری پھیر رہے ہیں وہ درحقیقت ان کے بھائیوں کی گردن تھی۔ افسوس اندھیرے میں پتہ نہ لگا اور اپنے ہاتھ سے اپنا ہی نقصان کر بیٹھے **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

مولوی پھلواری صاحب! خیر یہ چھری تو آپ سے اندھیرے میں غلطی سے پھر گئی۔ ایک چھری آپ لوگوں نے دیدہ ودانستہ پھیر رکھی ہے۔ وہ یہ کہ توسل کے نئے نئے طریقے آپ لوگوں نے اختیار کر رکھے ہیں جیسے آجکل ہم دیکھ رہے ہیں۔ اس حدیث پر عمل نہیں کہ پہلے دو رکعت نماز پڑھی جائے پھر وہ دعاء پڑھی جائے جو رسول اللہ ﷺ نے سکھلائی ہے جیسے آپ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں اس پر عمل ہوا۔ یہ عجب قدرت کا نظارہ ہے کہ آپ لوگوں کے لئے اندھیرا بھی اندھیرا ہے اور چاندن بھی اندھیرا ہے۔ **اللھم عافنا**

پھلواری:۔ انصاف شرط ہے کہ اس حدیث کے بعد اب جواز توسل واستمداد میں کونسا شبہ باقی رہ جاتا ہے نہیں معلوم اس زمانہ کے مدعیان علم حدیث کس عمائے بصر وبصیرت کے ساتھ کتب حدیث پڑھتے ہیں۔ کہ امر حق ان کو نظر نہیں آتا۔ ورنہ اگلے محدثین تمام توسل واستمداد کے قائل و فاعل تھے اور مزارات انبیاء و اولیاء کو محل اجابت دعاء بتلاتے اور زیارت قبور صالحین کو باعث حصول فیوض وبرکات وموجب قضاء حاجات سمجھتے ہیں۔

(رسالہ سماع موتی واستمداد صفحہ ۱۹)

مکان کا بابرکت ہونا اور مسئلہ توسل واستمداد

جواب: اس حدیث کا حال تو ناظرین کو معلوم ہو چکا، کہ ایک تو اس کی اسناد میں گڑبڑ ہے دوم میت کے ساتھ وسیلہ پکڑنا اس سے ثابت نہیں ہوتا اور زندہ کے وسیلہ پکڑنے سے کسی کو انکار نہیں۔ جیسے ابھی گزرا ہے، رہا یہ دعوی کہ اگلے محدثین تمام توسل واستمداد کے قائل ہیں یہ بالکل جھوٹ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم تو قائل نہیں بلکہ خیر قرون میں کوئی قائل نہیں تو محدثین کیا قائل ہوں گے اور اگر بالفرض کوئی قائل ہو تو خیر قرون کے مقابلہ میں اس کا کیا وزن؟ اس کے علاوہ مولوی پھلواری صاحب یہاں ایک دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ کسی جگہ کا برکت والی اور محل اجابت دعاء ہونا یہ الگ مسئلہ ہے اور مسئلہ توسل واستمداد جس کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے الگ ہے۔ مثلاً مسجد برکت والی جگہ ہے اور محل نماز اور محل اجابت دعاء اور محل فیوض رحمت الٰہی ہے مگر اس کو وسیلہ بنانے اور اس سے استمداد کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں مولوی پھلواری صاحب نے ان دونوں کو ملا کر ذکر کر دیا ہے تا کہ ناظرین اسکو ایک سمجھ کر آنے والے تمام اقوال ودلائل کو جن سے اکثر کا تعلق مسئلہ اول سے ہے مسئلہ ثانی یعنی توسل واستمداد پر چسپاں کریں۔ اور اس طرح سے اس مسئلہ میں کچھ قوت آ جائے حالانکہ آنے والے اقوال و دلائل سے مسئلہ اول ہی ثابت ہونا مشکل ہے۔ چہ جائیکہ مسئلہ ثانی یعنی توسل واستمداد ثابت

ہو جائے خیراب وہ اقوال ودلائل سنئے:۔

پھلواری: امام شمس الدین جزری مقامات اجابت دعاء کوذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قلت وان لم یجب الدعاء عند النبی ﷺ ففی ای موضع یستجاب (حصن حصین صفحہ ۱۰۴)

اور حصن حصین مطبوعہ مصر فضل اماکن اجابت میں اور وضاحت سے لکھتے ہیں۔و **عبد القبور الانبیاء علیهم السلام وجربت استجابة الدعاء عند قبور الصالحین بشروط معروفة** ۔یعنی ''انبیاء علیہم السلام کی قبروں پر دعاء قبول ہوتی ہے۔اور صالحین کی قبروں کے نزدیک دعاء کا جو بشرائط معروفہ ہو مقبول ہونا (اور حاجت برآری و کامیابی) مجربات سے ہے یعنی تجربے سے ثابت ہے۔

(رسالہ سماع موتی واستمداد صفحہ ۲۰)

جواب: امام جزری کے قول میں توسل واستمداد کا کوئی ذکر نہیں ہاں محل اجابت دعاء کا ذکر ہے، لیکن اس کے لئے کئی شرائط ہیں۔ایک یہ کہ سفر نہو کیونکہ قبروں کی طرف سفر کر کے جانا منع ہے۔چنانچہ مشکوۃ باب المساجد میں متفق علیہ حدیث ہے۔کہ سفر نہ کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف۔۱۔مسجد حرام۔۲۔مسجد اقصیٰ۔۳۔مسجد نبوی ؐ اس مسئلہ کی زیادہ وضاحت ہمارے رسالہ زیارت قبر نبوی ؐ میں ملاحظہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اصل قصد قبروں کی زیارت سے اپنی موت اور آخرت کا یاد کرنا ہو۔اور میت کے لئے دعاء کرنا ہو۔اور اپنے لئے دعا کرنا بالتبع ہو۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے زیارت قبور کی جو دعائیں سکھلائی ہیں۔وہ اسی قسم کی ہیں کہ میت کے لئے دعاء کے اندر اپنے لئے بھی دعا ہے اور صیانۃ الانسان کے صفحہ ۲۴۷ نعایت صفحہ ۲۴۹ میں ہے۔

زیارت قبور کی اقسام

(۱) شرعیہ:۔

قال (ابن تیمیه)فی منسك صنفه فی اواخر عمره وزیارة القبور علی وجهین زیارة شرعیة وزیارة بدعیة فالشرعیة المقصود بها السلام علی المیت والدعاء له کما یقصد بالصلوة علی جنازته فزیارته بعد موته من جنس الصلوة علیه فالسنة فیها ان یسلم علی المیت ویدعی له سواء کان نبیا او غیر نبی کما کان النبی ﷺ یامر اصحابه اذازاروا القبور ان یقول احدهم السلام علیکم اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا انشاء الله بکم لاحقون ویرحم الله المستقدمین منا ومنکم والمستاخرین نسئل الله لنا ولکم العافیة اللهم لا تحرمنااجرهم ولا تفتنا بعد هم واغفر لنا ولهم وهکذا یقول اذا زار اهل البقیع و من به من الصحابة وغیر هم اوزار شهداء احدوغیر هم الی ان قال واما الزیارة .

ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ اپنے منسک میں جو اخیر عمر میں انہوں نے تصنیف کیا ہے فرماتے ہیں زیارت قبور دو طرح کی ہے۔ایک شرعی، ایک بدعی یعنی جو بدعت ہے۔شرعی یہ ہے کہ مقصود اس سے میت پر سلام ڈالنا اور اس کے لئے دعاء کرنا ہو۔جیسے میت پر نماز جنازہ سے یہی مقصود ہوتا ہے۔پس موت کے بعد زیارت نماز جنازہ کی جنس سے ہے۔پس سنت اس میں یہ ہے کہ میت پر سلام ڈالے۔اور اس کے لئے دعاء کرے، خواہ نبی ہو یا غیر نبی جیسے رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کو حکم دیتے ہیں کہ زیارت کے وقت یوں کہیں۔کہ اے گھروں والو! مومنوں اور مسلمانوں تم پر سلام ہو۔اور اللہ چاہے تو ہم تم سے ملنے والے

ہیں۔اور ہم سے اور تم سے پہلوں اور پچھلوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔اے اللہ! ہمیں اس کے (مرنے کی مصیبت کے) اجر سے محروم نہ کر اور ان کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈال اور ہمیں اور انکو بخش اور اسی طرح کہتے جب کہ مدینہ کے قبرستان کی اور ان صحابہؓ وغیرہ کی جو اس قبرستان میں ہیں زیارت کرتے یا جنگ احد کے شھیدوں وغیرہ کی زیارت کرتے۔

(۲) بدعیہ:۔

البدعية فهو ان يكون مقصود الزائر ان يطلب حوائجه من ذلك الميت اويقصد الدعاء عند قبره اويقصد الدعاء به فهذا ليس من سنة النبى ﷺ ولاستحب احد من سلف الامة بل هو من البدع النهى عنها باتفاق سلفالامة وأمتهاانتهى وقال ابن القيم فى زاد المعاد كان اذا راز قبور اصحابه يزور ها للدعاء والترحم عليهم والاستغفار لهم وهذه هى الزيارة التى سنها لامته و شرعها لهم وامرهم ان يقولو ا اذا زاروها السلام عليكم اهل الديار من المؤمنين والمسلمين وانا انشاء الله بكم لاحقون نسال الله لنا و لكم العافية انتهى وفى تبعيد الشيطان بتقرب اغاثةالهفان فاسمع الان زيارة اهل الايمان التى شرعها الله ووازن بينهما وبين زيارة اهل الشرك التى شرعها لهم الشيطان واختر لنفسک قالت عائشة كان رسول الله ﷺ اذاكان ليلتى منه يخرج من اخر الليل الى البقيع فيقول السلام عليكم ديار قوم مؤمنين واتاكم ما توعدن غدا موجلون وانا انشاء الله بكم للاحقون اللهم اغفر لاهل بقيع الغرقد رواه مسلم وعنها ايضا ان جبرئيل اتاه فقال ان ربك يامرك ان تاتى اهل البقيع فتستغفرلهم قالت

قلت كيف اقول يا رسول الله ﷺ قال قولی السلام على اهل الديار من المؤمنين والمسلمين ويرحم الله المستقدمين منكم والمستاخرين وانا انشاء الله بكم للاحقون وفی حديث بريدة عن ابيه كان رسول الله ﷺ عنهم يعلمهم اذا خرجوا الى المقابران يقولو ا السلام على اهل الديار الحديث وفی لفظ السلا م عليكم اهل الديار الحديث انتهى قلت حديث بريدة قد تقدم بتمامه وفيه نسال الله لنا ولكم العافية وكيف يمنع احد من الدعاء لنفسه تبعا للدعاء لاصحاب القبور وهو ثابت فی الاحاديث الصحيحة قال فی الصارم فان الدعاء عند القبر لا يكره مطلقا بل يومن به كما جاء ت به السنة فيما تقدم ضمنا وتبعا وانما المكروه ان يتحرى المجئی الى القبر للدعاء عنده انتهى وقد ثبت فی الحديث الصحيح ان الداعی اذا قصد الدعاء لغيره يبد أ بنفسه عن ابی بن كعب ان رسول الله ﷺ كان اذا ذكر احد فدعاله بدأ بنفسه رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن غريب صحيح ومن ثم ورد فی التشهد السلام علينا قال الحافظ فی الفتح استدل به على استحباب البدأة بالنفس فی الدعاء انتهى فالمقصود بالذات الدعاء للميت واماا لدعاء لنفسه فانما هو لاجل ان الداعی اذا قصد الدعاء يبدأ بنفسه فهو مقصود بالعرض .انتهى.

اور زیارت بدعی یہ ہے کہ زیارت کرنے والے کا مقصود اس میت سے اپنی حاجات طلب کرنا ہو یا زیارت سے مقصود اس کی قبر کے پاس دعاء کرنا ہو۔ یا اس کے طفیل دعاء کرنا مقصود ہو پس یہ نہ سنت نبوی ہے، نہ سلف سے کسی نے اسکو اچھا سمجھا ہے، بلکہ یہ بدعات سے ہے جن کے منع ہونے پر سلف امت اور ائمہ دین متفق ہیں۔ اور ابن القیم علیہ

الرحمہ زادالمعاد میں فرماتے ہیں ۔کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کی قبروں کی زیارت کرتے تو ان کے لئے دعاء اور ترحم اور استغفار کی غرض سے زیارت کرتے اور یہی وہ زیارت ہے جو آپؐ نے اپنی امت کے لئے سنت طریقہ جاریہ قرار دی ہے اور امت کے لئے مقرر کی ہے اور حکم دیا ہے کہ زیارت کے وقت کہیں اے گھروں والو! مومنوں اور مسلمانوں سے تم پر سلام ہو۔اور اللہ چاہے تو ہم تم سے ملنے والے ہیں ۔ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں اور تبعید الشیطان بتقریب اغاثۃ اللھفان میں ہے۔کہ پس اب زیارت اہل ایمان کی سن ،جو اللہ نے ان کے لئے مقرر کی ہے۔اور بہتر کو پسند کر۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب میری باری ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اخیر رات مدینہ کے قبرستان کی طرف نکلتے اور کہتے سلام ہو تم پر اے قوم ایمان والوں کے گھرو اور جس بات کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو وہ تمہارے پاس آ گئی (یعنی موت وغیرہ) کل کے لئے مہلت دیئے گئے ہو (یعنی قیامت) اور اللہ چاہے تو ہم تم سے ملنے والے ہیں ۔اے اللہ اہل بقیع (یعنی مدینہ کے قبرستان والوں) کے لئے بخش۔اس کو مسلم نے روایت کیا ہے نیز حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ تیرا رب تجھے حکم دیتا ہے کہ اہل بقیع کے پاس آ کر ان کے لئے بخشش مانگ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ۔میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں کس طرح کہوں؟ فرمایا کہہ سلام ہو تم پر اے گھروں والو! اور جو مومن اور مسلمان ہو۔اور اللہ تعالی پہلوں کو اور پچھلوں کو تم سے رحم کرے اور اللہ چاہے تو ہم تم سے ضرور ملنے والے ہیں اور حدیث بریدہؓ میں ہے جو اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ انکو سکھاتے کہ جب قبرستان کی طرف نکلیں تو کہیں سلام ہو اے گھروں والو! اور ایک روایت میں ہے ۔تم پر سلام ہو۔اے گھروں والو! اور بریدہؓ کی پوری حدیث پہلے گزر چکی ہے۔اس میں یہ لفظ بھی ہے۔کہ ہم

اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔اور قبروں والوں کے بالتبع اپنے لئے دعاء کس طرح منع ہوسکتی ہے۔حالانکہ صحیح احادیث میں ثابت ہے۔صارم منکی میں کہا ہے کہ دعاء قبر کے پاس مطلقا مکروہ نہیں۔ بلکہ جس طرح احادیث میں میت کی دعاء کے بالتبع اور ضمن میں آئی۔اس طرح ایمان لایا جاتا ہے۔اور منع یہ ہے کہ قبر کی طرف اس غرض سے آوے کہ وہاں اپنے لئے دعاء کرے اور صحیح حدیث میں ہے کہ جب دعاء کرنے والا دوسرے کے لئے دعاء کا قصد کرے،تو اپنے نفس سے شروع کرے یعنی پہلے اپنا ذکر کرے پھر دوسرے کا۔جیسے **نسئل الله لنا ولكم العافية** (ہم اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں)(بریدہؓ کی حدیث میں گزر چکا ہے)چنانچہ ابی ابن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے لئے دعاء کا ارادہ کرتے۔تو اپنے نفس سے شروع کرتے ترمذیؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن،غریب صحیح ہے اور اسی لئے التحیات میں السلام علینا آیا ہے(یعنی پہلے اپنے لئے سلامتی کی دعاء پھر نیک بندوں کے لئے)حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں۔کہ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ دعاء اپنے نفس سے شروع کرے۔انتھی۔پس(قبروں کی زیارت سے)اصل مقصود میت کے لئے دعاء کرنا ہے۔اور اپنے لئے دعاء صرف اسوجہ سے ہے کہ دعاء مانگنے والا اپنے نفس سے شروع کرے پس یہ دعاء بالتبع اور عارضی ہے۔

پھلواری:۔امام جزریؒ کے اس قول کی تائید احادیث و آثار صحیحہ سے ملتی ہے۔چنانچہ سنن دارمی کی حدیث ہے کہ اہل مدینہ قحط میں مبتلا ہوئے لوگوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے آکر عرض کی ام المومنین نے فرمایا تم لوگ قبر مطہر پر حضور انور کے حاضر ہو اور روضہ [1]

حاشیہ [1]. دارمی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے الفاظ یہ ہیں **انظروا الى قبر النبى صلى الله عليه وسلم فاجعلوا منه الى السماء حتى لا يكون بينه وبين السماء سقف** ۱۲

نور سے ایک ایسا سوراخ کردو۔ کہ اس کے اور آسمان کے مابین کوئی حجاب حائل نہ ہو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور اسی وقت بارش ہونے لگی۔ **(دارمی باب اکرام اللہ تعالی نبیہ بعد موتہ** صفحہ ۵۶ ج ۱) (رسالہ سماع موتی)

حدیث دارمی کی تحقیق

جواب: اس حدیث کی اسناد میں محمد بن فضل ابو النعمان سدوسی ہے۔ تقریب، خلاصہ، کاشف میزان الاعتدال وغیرہ میں ہے کہ اخیر عمر میں اس کو اختلاط ہو گیا تھا۔ یعنی حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ اور یہ معلوم نہیں کہ یہ روایت کس وقت کی ہے۔ نیز اس کی اسناد میں سعید بن زید ابو الحسن ہے۔ اس کی بابت تقریب میں لکھا ہے کہ سچا ہے وہمی ہے۔ ایک راوی اس میں عمرو بن مالک نکری ہے اس کی بابت بھی تقریب میں یہی لکھا ہے۔ کہ سچا ہے وہمی ہے۔ ایک راوی اس میں عبداللہ ابو الجوزاء ہے اسکی بابت تقریب میں لکھا ہے کہ ارسال بہت کرتا ہے یعنی اپنے زمانہ کے علماء سے ایسے الفاظ کے ساتھ روایت کرتا ہے کہ وہم سماع کا ہو مگر سنا نہیں ہوتا۔ اور ایسے راوی کی روایت بغیر تصریح سماع کے معتبر نہیں ہوتی اور اس روایت میں تصریح سماع کی نہیں۔ نیز حضرت عائشہؓ سے روایت کرنے والا یہی ہے۔ اور حضرت عائشہؓ سے اس کی ملاقات بالکل ثابت نہیں۔ بتلائیے! جس روایت میں اتنے مسلسل ضعف ہوں وہ بھی لائق استدلال ہو سکتی ہے۔ خاص کر مسائل توحید میں؟

پھر ایک روایت اس کے خلاف آئی ہے تبعید الشیطان بتقریب اغاثۃ اللھفان میں بحوالہ مغازی محمد ابن اسحاق نے حضرت عمرؓ کے زمانے کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے قلعہ تستر فتح کیا تو ہرمزان کے بیت المال میں ایک تخت پایا جس پر ایک میت تھی اس کے سر کے پاس مصحف رکھا تھا۔ ہم مصحف حضرت عمرؓ کے پاس لے گئے

،حضرت عمرؓ نے کعب احبار کو بلا کر اس کو عربی میں کرایا۔اس میں اس امت کے حالات اور آئندہ کے واقعات تھے۔ہم نے متفرق تیرہ قبریں کھودیں اور ایک میں میت کو دفن کر کے سب کو برابر کر دیا۔تا کہ لوگوں کو میت کا پتہ نہ لگے۔اور کہیں نکال نہ لیں اور اہل تستر اس میت سے یہ فائدہ لیتے کہ ان پر جب یہ بارش بند ہو جاتی تو تخت باہر نکالتے اس سے ان پر بارش ہو جاتی۔اور وہ دانیال نبی کی میت تھی۔جن کو فوت ہوؤں کو تین سو سال گزر چکے تھے گدی کے چند بالوں کے سوا ان کی کوئی شئے متغیر نہ ہوئی تھی۔کیونکہ انبیاء کے گوشت اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیئے ہیں۔اور نہ ان کو درندے کھاتے ہیں۔

دیکھئے! قبر کا بے نشان کرنا اچھا نہیں تھا۔صحابہ اس میت کو دوسری جگہ لیجا سکتے تھے۔جہاں کسی کے نکالنے کا خطرہ نہ تھا۔اور یہاں بھی پہرے کے ذریعے انتظام کر سکتے تھے۔کیونکہ حکومت مسلمانوں کی تھی۔مگر چونکہ اس میت کی یہ کرامت مشہور ہو چکی تھی۔کہ اس کے باہر نکالنے سے فوراً بارش ہو جاتی ہے اور صحابہؓ کو خطرہ ہوا کہ مبادا رفتہ رفتہ مسلمان اس میں پھنس جائیں گے اس لئے اس کو بے نشان کرنا مناسب سمجھا۔اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ ایسے امور کے مٹانے کی کوشش کرتے تھے۔تو حضرت عائشہؓ ایسا فعل کس طرح کرا سکتی تھیں۔

اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ کے قول پر عمل کرنے کی صورت تو یہ ہے کہ جب بارش نہ ہو تو کسی بزرگ یا رسول اللہ ﷺ کی قبر کے اوپر سے سوراخ کر دیا جائے۔میت کو پکارنا یا اس سے حاجات طلب کرنا یا کہنا کہ ہمارے لئے دعاء کرو یہ کہاں سے ثابت ہوا ۔تعجب ہے کہ حضرت عائشہؓ کا قول جس بات پر دلالت کرتا ہے اس پر تو کوئی عمل نہیں کرتا ،اپنی طرف سے نئے طریقے ایجاد کر لیے ہیں،اللہ ان کو ہدایت کرے آمین

پھلواری:۔ اور استیعاب میں حافظ علامہ ابن عبد البر روایت کرتے ہیں۔کہ عہد فاروقی میں ایک دفعہ قحط پڑا تو ایک شخص نے قبر مبارک پر حاضر ہو کر استغاثہ کیا کہ یا رسول

اللہ ﷺ امت کی خبر لیجئے، پھر خواب میں حضور پرنور ﷺ نے ان ہی صاحب کو رفع قحط کی بشارت دی **والقصة طويلة .**

(استیعاب جلد۲ صفحہ ۴۲۸)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اصابہ جلد صفحہ ۱۱۴ مطبوعہ مصر میں اس روایت کو لکھا ہے اور تخریج ابن ابی خیثمہ کا حوالہ دیا ہے۔اور شیخ نبہانی دعوۃ الحق (مطبوعہ مصر صفحہ ۷۷) میں فرماتے ہیں رواہ البیہقی وابن ابی شیبۃ باسناد صحیح۔

جواب: **فتح الباری باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا** میں یہ قصہ ابن ابی شیبہ سے باسناد صحیح مذکور ہے۔اس میں یوں ہے کہ:۔

جاء رجل الی قبر النبی ﷺ فقال یارسول الله ﷺ استسق لا متك فانهم قدهلكوا فقيل له ائت عمر الحديث وقد روى سيف فى الفتوح ان الذى راى المنام المذكور بلال بن الحارث المذنى احد الصحابة.

یعنی ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی قبر پر آیا اور کہا یارسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لئے پانی مانگیے کیونکہ وہ ہلاک ہوگئے۔اس کو (خواب میں) میں کہا گیا کہ عمر کے پاس جاؤ۔اورسیف (بن عمر تمیمی) نے فتوح میں روایت کیا ہے کہ جس کو خواب میں کہا گیا۔وہ بلال بن حارث تھا جو صحابی ہے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ آپ کی دلیل نہیں بلکہ آپ کا رد ہے۔کیونکہ خواب میں کہا گیا کہ عمرؓ کے پاس جاؤ۔اور عمرؓ اس وقت حیات تھے پس معلوم ہوا کہ زندے کا وسیلہ چاہئے نہ میت کا۔

رہی یہ بات کہ خواب بلال بن حارث کو نظر آئی تھی ۔ یا اسی شخص کو جو قبر پر آیا تھا

سواس میں صحیح یہی ہے کہ جو شخص قبر پر آیا تھا اسی کو خواب میں کہا گیا سیف بن عمر کو اسماء الرجال کی کتابوں میں بہت ضعیف لکھا ہے

خدا کی شان جس بات کو آپ اپنی تائید میں ذکر کرتے ہیں وہی آپ کی تردید کرتی ہے۔ مگر پھر بھی نہیں سمجھتے۔ خدا آپ کو سمجھ دے غور کریں۔

من طلب وجد وجد من دق الباب ولج ولج

یعنی جو اصرار کے ساتھ طلب کرے اسے پالیتا ہے اور جو اصرار کے ساتھ دروازہ کھٹکھٹائے داخل ہو جاتا ہے۔

پھلواری: ۔ المختصر قرون ثلاثہ مشہور لہا بالخیر میں توسل واستمداد کا بکثرت ثبوت ملتا ہے اور نہ صرف یہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک تک مخصوص تھا بلکہ صحابہ واہل بیت وصالحین کی قبور سے بھی قرون سابقہ میں توسل واستمداد واستفاضہ واستغاثہ معمول بہ تھا۔

(رسالہ سماع موتی واستمداد صفحہ ۳۰)

جواب: آپ قرون ثلاثہ میں کثرت کا دعویٰ کرکے ثبوت ایک بھی پیش نہیں کرتے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا دعوی گیدڑ بھبکی ہے۔ اللہ آپ کو جھوٹے دعووں سے بچائے (آمین)

پھلواری: ۔ حافظ علامہ ابن عبدالبر جو چوتھی صدی ہجری کے مقدام الحفاظ وامام المحدثین ہیں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

وقبر ابی ایوب قرب سورها معلوم الی الیوم معظم یستسقون به فیسقون (استیعاب جلد اول صفحہ ۱۵۶)

ابوایوب انصاریؓ کی قبر شہر کی فصیل کے قریب آج تک معلوم ہے اسکی تعظیم ہوتی ہے۔ لوگ اس کے ساتھ بارش کی دعا کرتے ہیں۔ ان پر بارش ہو جاتی ہے۔

اور ایسا ہی علامہ ابن الاثیر اسد الغابہ میں لکھتے ہیں۔

وقبره بها يستسقون به (جلد۲ صفحہ ۹۰ مطبوعہ مصر) (رسالہ سماع موتی واستمداد صفحہ ۲۱)

جواب: حافظ ابن عبدالبر وغیرہ نے تو ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ کہ لوگ ان کی قبر سے یہ کر رہے ہیں۔ اس سے جواز تھوڑا ہی ثابت ہوتا ہے۔

دیکھئے! قاضی ابن خلکان اپنی تاریخ وفیات الاعیان جلد صفحہ ۱۳۱ میں موسی کاظم کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

دفن في مقابر الشونيزيه خارج القبة و قبره هناك مشهور يزار وعليه مشهد عظيم فيه قناديل الذهب والفضة وانواع الالات والفرش مالايحد .

یعنی وہ قبرستان شونیزیہ میں دفن ہیں اور ان کی قبر وہاں مشہور ہے زیارت کی جاتی ہے اور قبر پر بڑا مزار ہے جس میں سونے چاندی کی قندیلیں اور طرح طرح کے سامان اور فرش ہیں۔ جو بیان سے باہر ہیں

خیال فرمائیں کہ رسول اللہ ﷺ تو قبروں پر چراغ جلانے والوں کو لعنت کرتے ہیں۔ جیسے مشکوۃ وغیرہ میں احادیث موجود ہیں۔ پھر پختہ قبریں اور سونے چاندی کی قندیلیں اور طرح طرح کے جھاڑ فانوس یہ کیونکر جائز ہوں گے۔ بلکہ حنفی مذہب میں بھی یہ باتیں حرام ہیں۔ چنانچہ رسالہ رد بدعات میں قبوں کے مسئلہ میں ہم نے خوب تفصیل کی ہے اور گزشتہ صفحات میں بحوالہ ابلاغ المبین شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام میں بھی آتا ہے کہ بلند پختہ قبر بنانی اور اس پر لکھنا منع ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ابن عبدالبر وغیرہ نے ابوایوبؓ کی قبر کی نسبت جو کچھ فرمایا ہے وہ موجودہ حالت کا بیان ہے۔ کہ لوگ ان سے اسطرح کر رہے ہیں۔ جواز عدم جواز سے کچھ تعلق نہیں۔

استدراج اور مشرکین

رہی یہ بات کہ لوگ بارش مانگتے ہیں۔تو بارش پلائے جاتے ہیں۔اس کے اندر کچھ قبر والے کا دخل ہے یا نہیں۔تو جواب اس کا یہ ہے کہ قبر والے کا کوئی دخل نہیں ۔یہ اللہ کیطرف سے استدراج ہے کہ بندے کو نافرمانی کے رستے روزی ملتی ہے اور اسی رستہ سے اس کی مراد پوری ہوتی ہے۔جیسے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے مشرکوں کی مرادیں بتوں کی پوجا میں پوری ہوتی تھیں۔وہ سمجھتے تھے کہ ان ہی کا فیض ہے۔چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے۔**سنستدرجهم من حيث لا يعلمون** ۔اس قسم کے کئی وجوہ ہیں۔حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ جواب الکافی کے صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں:

وكثير امانجد ادعية دعابها قوم فاستجيب لهم ويكون قداقترن بالدعاء ضرورة صاحبة واقباله على الله اوحسنة تقدمت منه جعل الله سبحانه اجابة دعوته لحسنته اوصاف الدعاء وقت اجابة ونحوذلك فاجيبت دعوته فيظن الظان ان السر فى لفظ ذلك الدعاء فياخذه مجردا عن تلك الامور التى قارنته من ذلك الداعى وهذا كما اذا استعمل رجل دواء نافعا فى الوقت الذى ينبغى على الوجه الذى ينبغى فانتفع به فظن غيره ان استعمال هذا الدواء مجردا كاف فى حصول المطلوب كان غالطا وهذا موضع يغلط فيه كثير من الناس ومن هذا قديتفق دعاءه باضطرار عند قبر فيجاب فيظن الجاهل ان السر للقبر ولم يعلم ان السر للاضطرار وصدق اللجاء الى الله تعالى فاذا حصل ذلك فى بيت من بيوت الله كان افضل واحب الى الله .

بہت دفعہ ہم پاتے ہیں۔کہ ایک قوم نے ایک دعا مانگی جو قبول ہوگئی اور دعاء کے

ساتھ کبھی دعاء کرنے والے کی بیقراری اور اس کی اللہ کی طرف توجہ ملی ہوئی ہوتی ہے (جو دعاء کی قبولیت کا سبب ہے) کبھی کوئی عمل ایسا کیا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی دعاء قبول کر لی۔ کبھی وہ دعاء وقت قبولیت میں ہوتی ہے۔ (اس لئے قبول ہوئی) کبھی کوئی اور وجہ دعاء کے قبول ہونے کی ہوتی ہے۔ دوسرے کو خیال پیدا ہوتا ہے کہ ان ہی الفاظ کی وجہ سے دعاء قبول ہوئی ہے۔ پس وہ ان الفاظ کو باقی امور سے خالی لیتا ہے۔ اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی نافع دوا ایسے وقت میں اور ایسے طریق سے استعمال کی جو لائق ہے اور اس کو اس دوا سے فائدہ ہو گیا۔ دوسرے نے خیال کیا کہ اس فائدہ میں صرف اسی دوا کا اثر ہے اور طریقہ استعمال کا اور وقت کا خیال نہ کیا تو یہ غلطی ہوگی اور اس طرح بہت لوگ غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ اور اسی قسم سے ہے کہ کبھی کسی قبر کے پاس دعاء کے وقت زیادہ عاجزی ہوگئی۔ اور اس عاجزی کی وجہ سے اس کی دعاء قبول ہوگئی۔ تو جاہل کو یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ اس دعاء کے قبول ہونے میں اس قبر کو دخل ہے اور اس بات کو نہیں جانتا کہ عاجزی اور سچی التجاء الی اللہ کو دخل ہے۔ اگر یہ عاجزی اور انکساری کسی مسجد میں ہوتی تو اس کے لئے افضل اور اللہ کی طرف زیادہ پیاری تھی۔

شیطان کی دعاء میں حیلہ سازی

صیانۃ الانسان کے صفحہ ۱۹۵ میں بحوالہ تبعید الشیطان بتقریب اغاثۃ اللہفان لکھا ہے۔

والشیطان له تلطف فی الدعوة فیدعو اولاالی الدعاء عنده فیدعو العبد عنده بحرقةوانکساروذلة فیجیب الله دعوته لمابقلبه لا لا جل القبر فیظن الجاهل ان للقبر تاثیرا .

شیطان کے لئے دعاء میں حیلہ سازی ہے پہلے قبر کے پاس دعاء کرنے کے لئے دعوت دیتا ہے بندہ دلسوزی، انکساری اور عاجزی کے ساتھ دعاء کرتا ہے، اللہ اسکی دعاء اس

دلسوزی اور انکساری اور عاجزی کی وجہ سے قبول کرتا ہے۔ نہ قبر کی وجہ سے، لیکن جاہل خیال کرتا ہے کہ قبر کی تاثیر ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب بلاغ المبین کے صفحہ ۱۱-۱۲ میں لکھتے ہیں۔

سنگے که حضرت ابراهیم علیه السلام بر آں استاده بنائے کعبه میکرد و آں سنگ بقدر بلند عمارت بلندمی شدو تاتمام عمارت حاجت بسنگے دیگر نیفتاد واثر بگشتانِ هر دو قدم حضرت ابراهیم دو آں منقوش گشت ، و درحدیث بروایت عبد الله بن عمر آمده که آنحضرت ﷺ می فرمودند الرکن والمقام یا قوتان من یاقوت الجنة طمس الله نورهما ولولا ذلک لاضاء امابین المشرق والمغرب آں سنگ راحق تعالی در کلام خود مقام ابراهیم نامے اشت و نماز خواندن رادر آنجا امر فرمود اتخذ وامن مقام ابراهیم مصلی .پس آنحضرت ﷺ در آنجا نماز می کردندودست رسایندن آنحضرت برآں مقام یا بوسه رادن مروی نشده است نه از صحابه کرام بلکه انکار از صحابه بریں کار آدرده ابن ابی شیبه صاحب مصنف ازعبدالله بن زبیر رضی الله عنه نقل کردکه ایشاں جماعتی را دیدند که مقام ابراهیم رامسح میکنند،فرمودند شمارا خدا تعالی مسح کردن آں سنگ نه فرموده بلکه حکم اوهمیں است که متصل اونماز گزارید ودر مجالس الابراربعربی می نوید ترجمه اش نوشته می آید که هرآئینه انکار کرده انداهل سلف ازدست رسانیدن بسنگے که امر کرده است خدا تعالی به نمازخواندن درآنجا چنانچه ذکر بکنند ازرقی ازقتاده در قول اوتعالی واتخذوا من

مقام ابراهیم مصلی که هر آئینه مامور شده اند آمیان باینکه نماز کنندنزدیک آں مقام ومامور نه شدند بآنکه مسح کنند آنرابلکه متفق اند علماء بر آنکه استلام و تقبیل نکرده غیر حجر اسود رااما رکن یمانی رااستلام کردن صحیح است .نه تقبیل لیکن همچنانکه گزشت شیطان درهرزماں وهر مکاں نصب می کند برائے آدمیاں قبر مردے معظم ومکرم که تعظیم می کنند آں قبر راباز می گرد اندآں رابتے که پرستش می کنند .آں را سوائے خدا باز وحی می کنددوستاں خود اینکه هر که منع می کننداز عبادت آں داز گرداینده عید گاه درآ نجا . پس تحقیق ناقص نمود قدرآں بزرگ راوتلف کر دحق دے راپس سعی وجهد می کنند جاهلان وقت درقتل آں تانهی عن المنکر وعقوبت وتکفیر می نمایندونیست گناه اومگر همیں که امر کردبدانچه امر کرده است خدا ورسول ونهی کردازانچه نهی کرده است خداو رسول ونیز می نویسدآنچه انداخته است پرستندگاں قبور رادرفتنه چند امور است ازانجمله جهل است بحقیقت بعث پیغمبر علیه الصلوة والسلام که خدا تعالی آں علیه السلام رابرائے تحقیق توحید وقطع اسباب شرک فرستاده است پس آنکه درنصیب شاں اندک علم است.چوں دعوت می کنندایشاں راشیطاں بسوئے فتنه قبور ونمی باشد ایشاں راآں قدر علمی که باطل کنند دعوتش را اجابت می کنند برائے او بحث اوچه نزدایشان است از جهل ومحفوظ می نمایندازدے بقدرآنچه بایشاں است از علم واز انجمله است سخنهائے دروغ که بافترا ساخته اند آنها رامشابهیں

عـابـدان صـنـم از گـو رپرستاں بررسول خدا علیه السلام و آں سخنهائے دروغ مثل حدیث **اذا تحیر تم فی الامور فاستعینوا باهل القبور** ومثلا حدیث **اذا اعیتکم الامور فعلیکم باصحاب القبور** ومثلا حدیث **لو حسن احدکم ظنه بحجر لنفعه**۔ وامثال ایں حدیث بسیار اند که صریح مناقض دین اسلام است نسبت وضع عابدان اصنام مقابریه نزدیک جهال و اهل ضلال رواج یافته انداین جاهلاں نمی فهمند خبر ایں نیست که خداتعالی رسول خدا را فرستاداست تاقتل کند آناں را که حسن ظن به سنگ دورخت می دا شتندپس آں علیه السلام بهر طریقه که یافت امت خود را از شیفتگی بقبور یکسو نمود ازاں جمله است حکایاتے که از عباد مقابریه منقول شده اند که فلاں شخص به فلاں قبر استعانت کرده بود ازشدتے که داشت رهائی یافت وبر فلاں شخص آفتے نازل شده بود اوے آمده مستدعی ازصاحب این قبر گشت پس کشف کردصاحب قبر ضرر اور اوفلا ں شخص دعاء کرده بوددرحاجتے که داشت پس حاجتش روا شد ونزدیک ایں خادماں ومجاوراں ازیں قسم چیز هاست که ذکر آں طولے دار و غرضکه ایشاں کاذب تریں خلق الله اند که برزنده و مرده دروغ می بندند و نفوس بنی آدم مالطبع شید اند برائے قضائے حوائج خویش و ازاله ضروریات خصو صا هر که مضطر می باشد فلاح خود بهر سبب می جو ید اگرچه اندراں کراهتے باشد پس چوں کسے می شنود که فلاں قبر در حق حاجت روائی تریاق مجرب است بسوئے آں قبر میدود و نزدیک آں بسوز سینه و تفرع وزاری و

مسکنت وانکساری دعاء والتجا می نماید پس خدا تعالی نظر برمذات و انکساری او هند و مدعا را و برمی آردد حاجتش روائی می کندپس این جاهل می پندره که برائے این قبر تاثیر یست درا جابت دعاء ونمی را ز که خدا تعالی دعاء مضطرار اگرچه کافر باشد قبول می فرماید و حاجتش روائی کند اگر این شخص برد کان و یا در بازار ویا در حمام بذلت و انکساری دعاء میکند حاجتش روائی کرد دراین امر تاقبر فهمیدن بے عقلی است هر کسے که دعائے او قبول شود رضائے خدا تعالی برائے اولازم نیست ونه محبت او زیراکه خدا تعالی قبول میکند دعائے مومن و کافر و فاجر را یسرنا الله تعالی من الدعاء والعمل مایکون موافقها لرضا ه بلطفه وکرمه انتهی . کلام مسلم نیشا پوری رحمة الله علیه در صحیح خود از ابی الهیاج الاسدی می آرد که او گفت فرمود علی رضی الله تعالی عنه الا ا بعثك علی ما بعثنی رسول الله ﷺ الاتدع تمثا لا الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سویته آیا تفرستم ترا بر آنچه فرستاده است مرا رسول خدا برآں آینکه نگزاری صورت ذی روح رامگر محو سازی آنرا و قبر بلند را مگر که برابر کنی آنرا یعنی برزمین دنیزاں رحمة الله علیه ازجابر رضی الله عنه می آرد که او گفت نهی رسول الله ﷺ ان یجصص القبر و یکتب علیها وان توطا شیخ رحمةالله علیه درترجمه مشکوة زیر آن یقعد علیه می نویسد که نهی کرد از انه نشسته شود بر قبر که آں منافی عزت و اکرام مومن است و بعضی گفته اند که مراد نشستن برائے قضاء حاجت است انتهی.

وہ پتھر جس کو مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ جس پر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوکر کعبہ بناتے تھے اور عمارت کے بلند ہونے کے ساتھ بلند ہوتا جاتا تھا اور عمارت کے پورا ہونے تک اور پتھر کی ضرورت نہیں پڑی۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے دونوں پاؤں کی انگلیوں کے اس پر نشان ہیں۔ اور حدیث میں عبداللہ بن عمرؓ کے واسطہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں رکن (حجر اسود) اور مقام دونوں جنت کے یاقوت ہیں اللہ نے ان کا نور مٹا دیا۔ اگر نہ مٹاتا تو مشرق و مغرب کے درمیان جو کچھ ہے اس کو روشن کر دیتے۔ اس پتھر کا خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں مقام ابراہیم نام رکھا ہے اور اس جگہ نماز پڑھنے کا امر فرمایا ہے جیسے ارشاد ہے کہ ''مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔ پس رسول اللہ ﷺ اس جگہ نماز پڑھا کرتے تھے اور اس پتھر کو ہاتھ لگانا یا بوسہ دینا مروی نہیں ہوا۔ بلکہ صحابہؓ سے انکار ثابت ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو دیکھا۔ کہ وہ مقام ابراہیم کو مسح کرتے ہیں۔ یعنی تبرکا چھوتے ہیں۔ تو فرمایا خدا نے اس کے مسح کا حکم نہیں فرمایا۔ بلکہ اسکے متصل نماز پڑھنے کا حکم فرمایا۔ مجالس الابرار میں ہے۔ کہ سلف نے مقام ابراہیم کے چھونے پر انکار کیا ہے۔ جیسے ازرقیؒ قتادہ سے قول الٰہی **واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی** کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں کہ لوگوں کو وہاں نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ نہ مسح کرنے کا بلکہ علماء اس پر متفق ہیں کہ چھونا اور بوسہ حجر اسود کے سوا کسی جگہ کا نہ کرنا چاہئے۔ ہاں رکن یمانی کا چھونا ثابت ہے نہ بوسہ۔ لیکن جیسا کہ گزرا ہے شیطان ہر زمانہ اور ہر جگہ میں لوگوں کے لئے کسی بڑے بزرگ کی قبر مقرر کر دیتا ہے کہ وہ اس کی تنظیم کرتے ہیں پھر اسکو بت بنا دیتا ہے وہ اس کی پوجا شروع ہو جاتی ہے۔ پھر لوگوں کے دلوں میں پھونکتا ہے۔ کہ جو اس قبر کی پوجا سے روکتا ہے اور قبر کے عید گاہ بنانے سے ہٹاتا ہے اس نے اس بزرگ کی بے قدری کی اور اس کی تعظیم کا حق ضائع کر دیا

پس جاہل اس کے قتل کے درپے ہو جاتے ہیں ۔اور اس کا گناہ صرف یہی ہوتا ہے ۔کہ وہ اس بات کا امر کرتا ہے جس کا خدا اور رسولؐ نے امر کیا ہے اور اس بات سے منع کرتا ہے جس سے خدا اور رسول نے منع کیا ہے نیز مجالس الابراء میں ہے کہ جس بات نے قبروں کی پوجا کرنے والوں کو اس فتنہ میں پھنسایا ہے ۔وہ کئی امور ہیں ایک یہ کہ جس غرض کے لئے رسول اللہ ﷺ پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیجے گئے ہیں ۔اس سے جاہل ہیں ۔خدا تعالی نے رسول اللہ ﷺ کو توحید کے ثابت کرنے کے لئے اور شرک کی جڑیں کاٹنے کے لئے بھیجا ہے ۔پس جن کی قسمت میں علم تھوڑا ہوتا ہے ۔جب شیطان انکو قبروں کی پوجا کی دعوت دیتا ہے اور انکے پاس اتنا علم نہیں ہوتا کہ اس کے دعوے کو باطل کریں تو اس کی دعوت کو اس کے رغبت دینے سے قبول کرتے ہیں ۔کیونکہ وہ جاہل ہیں ۔اور جو کچھ انکے گندے عقائد ہوتے ہیں ۔انکو محفوظ کر لیتے ہیں ۔اور ان ہی میں سے ان کی جھوٹی باتیں ہیں ۔جو قبروں کے پُوجاریوں، بت پرستوں سے مشابہت کرنے والوں نے رسول خدا پر جوڑی ہوئی ہیں جیسے یہ روایت کہ جب تم کاروبار میں حیران ہو جاؤ تو قبروں والوں سے مدد چاہو"۔اور جیسے یہ روایت کہ جب کام تمہیں تھکا دیں یعنی جب تمہارا کام رک جائے تو اصحاب قبور کو لازم پکڑو یعنی ان سے مدد مانگو۔اور جیسے یہ روایت کہ اگر کوئی پتھر پر حسن ظن کر لیتا (کہ یہ میری مراد پوری کر سکتا ہے) تو پتھر بھی اس کو نفع دیتا۔اس قسم کی بہتیری روایتیں ہیں جو اسلام کے صریح خلاف ہیں ۔جو قبروں کے بت پوجنے والوں نے بنائی ہوئی ہیں ۔اور جاہلوں اور اہل ضلال کے نزدیک مشہور ہیں ۔یہ جاہل اس بات کو نہیں سمجھتے ۔کہ خدا تعالی نے اپنے رسول پاک ﷺ کو اسی لئے بھیجا ہے ۔کہ ایسے لوگوں کی گردن اڑائیں ۔جو پتھروں اور درختوں کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں ۔پس رسول اللہ ﷺ نے ہر طریقہ سے جو ہو سکا امت کو قبروں پر فریفتہ ہونے سے ایک طرف کیا ۔اور اسی قسم میں وہ حکایتیں ہیں ۔جو قبروں کے

پجاریوں سے منقول ہیں۔ کہ فلاں شخص نے فلاں بزرگ کی قبر سے ایک مصیبت کی وجہ سے استعانت کی تو رہائی پائی۔ اور فلاں شخص پر فلاں آفت نازل ہوئی۔ اس نے اس قبر والے کو پکارا۔ پس اس قبر والے نے اس کی آفت دور کردی اور فلاں شخص نے ایک حاجت کی بابت دعاء کی اسکی حاجت پوری ہوگئی۔ اور ان خادموں اور مجاوروں کے پاس اس قسم کے بہت جھوٹ ہیں کہ ان کا ذکر طول کو چاہتا ہے۔ غرضکہ یہ لوگ ساری مخلوق سے زندوں مردوں پر زیادہ افترا کرنے والے ہیں۔ اور بنی آدم کی طبائع اپنی حاجتوں کے پورا کرنے اور تکلیفوں کے رفع کرنے کے لئے فریفتہ ہیں۔ خاص کر جو لاچار ہو جاتا ہے وہ ہر طریقہ سے اپنی خلاصی چاہتا ہے۔ اگرچہ اس میں کراہت ہو پس جب سنتا ہے کہ فلاں قبر حاجت روائی میں تریاق مجرب ہے اس کی طرف دوڑتا ہے اور اس قبر کے پاس دلسوزی اور عاجزی اور زاری اور مسکینی اور انکساری کے ساتھ دعاء اور التجاء کرتا ہے۔ پس خدا تعالی اس کی عاجزی اور انکساری پر نظر کرتا ہے اور اس کا مطلب برلاتا ہے۔ اور اس کی حاجت پوری کر دیتا ہے پس یہ جاہل گمان کرتا ہے کہ دعاء کی قبولیت میں اس قبر کو دخل ہے۔ اور یہ نہیں جانتا کہ خدا تعالی لاچار کی دعا کو خواہ کافر ہی ہو قبول فرماتا ہے۔ اور اس کی حاجت پوری کرتا ہے۔ اگر یہ شخص دکان پر یا بازار میں یا حمام میں عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعاء کرتا تو خدا اس کی حاجت پوری کرتا۔ اور قبولیت میں قبر کی تاثیر سمجھنا بے عقلی ہے۔ جس شخص کی خدا دعا قبول کرے اس پر خدا تعالی کا راضی ہونا ضروری نہیں۔ اور نہ خدا کے ساتھ اس کی محبت ضروری ہے کیونکہ خدا مومن، کافر، فاجر سب کی سنتا ہے۔ اللہ تعالی ہمیں اپنی مہربانی اور کرم سے اس دعاء اور عمل کی توفیق دے جو اس کی رضاء کے موافق ہو۔ مسلم شریف میں ابی الهیاج اسدی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں مجھے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا کہ کوئی تصویر نہ چھوڑے مگر اس کو مٹا دے اور کوئی قبر نہ چھوڑے مگر اس کو

برابر کردے یعنی زمین کیساتھ نیز مسلم شریف میں ہے کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کے پختہ کرنے اور ان پر لکھنے اور ان کے روندنے سے نہی کی ہے شیخ (عبدالحق) شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں کہ روندنے سے مراد ان پر بیٹھنا ہے۔ بیٹھنے سے نہی اس لئے کی ہے کہ قبر پر بیٹھنا مومن کی عزت اور اکرام کے خلاف ہے۔ اور کہتے ہیں کہ قضائے حاجت کے لئے بیٹھنا مراد ہے۔

ابن تیمیہ اور استمداد وسماع موتی

ابن تیمیہ علیہ الرحمہ صراط مستقیم میں لکھتے ہیں کہ قبر سے کسی کی مراد کا پورا ہو جانا یہ جواز کی دلیل نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

ان احدکم لیسالنی المسالة واعطیه ایاها فیخرج بها یتاب لها نارا فقالوا فلم تعطیهم قال یا بون الا ان یسالونی ویابی الله لی البخل (صراط مستقیم صفحه ۱۵۶)

یعنی بعض تمہارا مجھے سوال کرتا ہے اور میں اس کو دیتا ہوں۔ پس وہ بغل میں آگ لے کر نکلتا ہے۔ صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ جب ان کے لئے جائز نہیں تو آپؐ کیوں دیتے ہیں۔ فرمایا وہ سوال سے باز نہیں آتے۔ اور میرے لئے اللہ بخل پسند نہیں کرتا۔

خیال فرمایئے! جو شئے رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ سے دیں جب وہ آپؐ کی مرضی کے خلاف ہونے کی صورت میں بمنزلہ آگ کے ہے۔ تو جو آپؐ کے ہاتھ سے نہ ملے اور ہو بھی شرع کے خلاف تو بتلایئے اس کا کیا حال ہوگا۔ اور جب رسول اللہ ﷺ باوجود خلاف مرضی ہونے کے بخل نہیں کرتے تو اللہ کس طرح کرے گا۔ پس انسان کی کتنی بڑی غلطی ہے۔ کہ صرف ایک کام کے ہو جانے سے سمجھ بیٹھے کہ جس صورت سے میری مراد پوری ہو رہی ہے۔ وہ خدا اور رسولؐ کی مرضی کے موافق ہے اور یہ خیال نہیں کرتا کہ اللہ

تعالیٰ بت پوجنے والوں کو بھی محروم نہیں کرتا۔ بلکہ جس کا خدائی کا دعویٰ ہے۔ اسکے ہاتھ پر کتنے خرق عادت ظاہر کرتا ہے۔ تو بزرگوں کی قبروں پر مانگنے والوں کو کس طرح محروم کرے گا لیکن اس سے جواز ثابت نہیں ہوتا جب تک شرعی دلیل نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ کسی قبر پر دعاء قبول ہونے سے کبھی دھوکا نہ کھانا چاہئے کہ یہ قبر کی تاثیر ہے یا قبر والے کو کوئی دخل ہے یا شرعاً یہ جائز ہے۔ بلکہ جو مقام اجابت قرآن وحدیث میں مذکور ہیں ان ہی کی پابندی چاہئے۔ ہاں قبروں والوں کے لئے دعاء کرتے ہوئے بالتبع اور ضمناً اپنے لئے دعاء کرے تو یہ ثابت ہے۔ اور قبروں کو دیکھ کر موت اور آخرت کے یاد آجانے کی وجہ سے عاجزی اور انکساری تو خدا کے بندوں کو خواہ مخواہ پیدا ہو جاتی ہے تو بعید نہیں کہ یہ قبولیت کا باعث ہو خاص کر نیکوں کی قبروں کی زیارت سے زیادہ رقت اور نرمی دل میں پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کے زندگی کے واقعات سامنے آجاتے ہیں۔ اور ان کی دل میں بڑھائی اور عظمت ہوتی ہے اور جتنی شئے بڑی ہوتی ہے اتنا ہی اس کی جدائی میں صدمہ ہوتا ہے۔ اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری جدائی کے برابر مومنوں کے لئے کوئی مصیبت نہیں اور آپؐ نے فرمایا ہے کہ میری قبر کو بت نہ بناؤ۔ اور یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ صاحبؒ نے اس شخص کو ڈانٹا جو بزرگوں کی قبروں پر آکر کہتا تھا کہ میرے لئے دعا کرو۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ پر سلام ڈالنے کے وقت قبر کی طرف منہ کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ چنانچہ ان سے بعض باتوں کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ اور بعض کی آگے آتی ہے۔ انشاء اللہ

سبحان اللہ! یہ توحید ہے کہ ہر شئے کو اپنے مرتبہ پر رکھا جائے۔ اور ہر شئے کے ساتھ وہی طریق برتا جائے جو خدا اور رسول کے ارشاد کے موافق ہے خدا اور رسولؐ نے جس شئے کے چومنے کا حکم دیا اسکو چوما جائے جس کے چھونے کا حکم دیا اس کو چھوا جائے جس کے

پاس نماز پڑھنے کا حکم دیا وہاں نماز پڑھے۔ جہاں طواف کا حکم دیا۔ وہاں طواف کرے جس کو غلاف پہنایا گیا اس کو غلاف پہنائے یہ نہیں کہ اب قبروں کے ساتھ بھی وہی کرنے لگ جائے جیسے کفار بتوں کے ساتھ کرتے ہیں کہ ان کو سجدہ کرتے اوران کا طواف کرتے اوران کی منتیں مانتے اور طرح طرح کے خرافات کرتے جیسے آجکل ہم قبر پرستوں کو دیکھ رہے ہیں خدا اس سے بچائے اور اپنی مرضیات کی توفیق بخشے۔ آمین

پھلواری:۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ جناب فرماتے ہیں۔ قبر **موسی تریاق مجرب للدعاء (اشعة اللمعات وغیره)** یعنی ''حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی قبر شریف اجابت دعاء کیلئے تریاق مجرب ہے۔ بعض ملانوں کو اس پر بہت ہی تعجب ہوتا ہے کہ امام شافعی جیسے جلیل القدر امام کی زبان سے ایسا جملہ کیونکر نکل سکتا ہے مگر ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ امام ممدوح توسل وتشفع اہل قبور کے ضرور قائل تھے۔ وبزرگان وصالحین کے مزارات سے وہ خود استفاضہ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت **قدوۃ المجتہدین مقدام الفقہاء والمحدثین امام الائمہ فقیہ الامہ ابو حنیفہ النعمان الکوفی رحمۃ اللہ علیہ** کے مزار پرانوار سے حضرت امام شافعی کا تبرک وتوسل کرنا بہ سند مستند ومعتبر مروی ہے جیسا کہ صدر الائمہ امام موفق بن احمد مکی المتوفی ۵۶۸ھ کتاب مناقب الامام الاعظم (مطبوعہ حیدرآباد دائرۃ المعارف جلد۲ صفحہ ۱۹۹ میں مختلف اسناد سے بطریق امام ابوبکر خطیب بغدادی وبطریق تاج الاسلام امام سمعانی وغیرہم روایت کرتے ہیں کہ علی بن میمون کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں ابوحنیفہؒ کی قبر سے برکت حاصل کرتا ہوں۔ اور برابر ان کی زیارت کرتا ہوں۔ اور جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں پھر

ان کی قبر پر جاتا ہوں۔اور وہاں خدا سے (۱ بتوسل ابی حنیفہ) دعاء کرتا ہوں.فی الفور میری وہ حاجت پوری ہو جاتی ہے۔اس روایت کو انہی الفاظ کے ساتھ علامہ عزالدین بن جماعہ محدث نے بھی اپنی کتاب انس المحاضرہ میں ذکر کیا ہے

ذکر ...السفیری شارح بعض مجالس من احا دیث البخاری قال و نقل عز الدین بن جماعه فی کتابه انس المحاضرة عن علی بن میمون قال سمعت الشافعی یقول انی لا تبرك بابی حنیفة واجئی الی قبره زائرا فاذا عرضت حاجة صلیت رکعتین وجئت الی قبره وسالت الله تعالی حاجة عنده فما تبعدعنی حتی تقضی (دیکھو صلح الاخوان للعلامه السید داؤد الخالدی مطبوعه بمبئی صفحه ۸۳)

علی بن میمون کہتے ہیں میں نے امام شافعی کو سنا فرماتے تھے۔میں امام ابوحنیفہ کی قبر سے تبرک حاصل کرتا ہوں ۔اور ان کی قبر پر زیارت کیلئے آتا ہوں ۔اور جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھتا ہوں ۔اور ان کی قبر پر آ کر سوال کرتا ہوں پس بعید نہیں ہوئی۔حتی کہ قبول ہو جاتی ہے۔

اور علامہ محدث ابن حجر مکی خیرات الحسان مطبوعہ صفحہ ۶۹ میں فرماتے ہیں۔

اعلم انه لم یزل العلماء وذوو الحاجات یزورن قبره (الی قبره ابی حنیفة) ویتوسلون عنده فی قضاء حوائجهم ویرون نجح ذلك منهم الامام الشافعی لما کان ببغداد فانه جاء عنه انه قال انی لا تبرك بابی حنیفة واجئی الی قبره .

---

۱. یہ بریکٹ عبارت مولوی پھلواری کا اپنا حاشیہ ہے کسی لفظ کا ترجمہ نہیں ۱۲

ہمیشہ علماء اور اہل حاجات امام ابوحنیفہ کی قبر کی زیارت کرتے اور انکی قبر کے پاس اپنی حاجت میں وسیلہ پکڑتے ۔ اور وہاں اپنی حاجات روائی دیکھتے ان سے ایک امام شافعی ہیں جب کہ وہ بغداد میں تھے اس وقت کی ان سے روایت ہے انہوں نے فرمایا امام ابوحنیفہ کی قبر سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور انکی قبر کی طرف آتا ہوں ۔

علامہ ابن حجر کی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امام شافعی کی طرح دیگر علماء کا بھی یہی قدیما وحدیثا امام ابوحنیفہ کی قبر کی زیارت بہ نیت تبرک وتوسل وانتفاع واتشفاع معمول رہا۔

(رسالہ سماع موتی واستمداد صفحہ ۲۱-۲۲)

امام شافعیؒ اور موسی کاظم کے واقعہ کی حقیقت

جواب: اشعۃ اللمعات میں امام شافعیؒ سے موسی کاظمؒ کی قبر کی بابت جو کچھ ذکر کیا ہے اسکا تو اشعۃ اللمعات میں کوئی حوالہ ہی مذکور نہیں ۔ نہ اس کی سند ذکر کی ہے اسلئے اس کو تو پیش کرنا فضول ہے ۔ رہا امام ابوحنیفہؒ کی قبر پر دعاء کرنے آنا سو اس کا حال سنیے۔

قال فی تبعید الشیطان والحکایۃ المنقولۃ عن الشافعی انہ یقصد الدعاء عندقبر ابی حنیفۃ من الکذب الظاھر (صیانۃالانسان صفحہ ۲۷۸ لعبد اللہ بن عبد الرحمن (السندی)

یعنی امام شافعیؒ سے جو یہ حکایت کی جاتی ہے کہ وہ امام ابوحنیفہؒ کی قبر پر دعاء کا قصد کرتے تھے یہ صریح جھوٹ ہے ۔ اسی طرح امام محمد برکوی صاحب طریقہ محمدیہ اپنے رسالہ زیارۃ القبور ملحقہ رد الوافر صفحہ ۵۳۸ میں لکھتے ہیں کہ یہ حکایت صریح جھوٹ ہے ۔

اسکے علاوہ علی بن میمون کا پتہ نہیں کہ کون ہے ۔ اگر علی بن میمون مدنی ہے تو وہ

موضوعات کا راوی ہے۔ ملاحظہ ہو میزان الاعتدال۔

روضہ رسول اور ائمہ دین

اسکے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر یا کسی صحابی کی قبر پر حاجات کے لئے ائمہ دین کا آنا ثابت نہیں۔ تو امام ابوحنیفہ کی قبر پر آنا کسطرح تسلیم کرلیا جائے۔ خاص کر جب اس کی صحت سند بھی ثابت نہ ہو آپ کا یہ کہنا کس قدر دھوکا ہے کہ مختلف اسناد سے بطریق امام ابو بکر خطیب [1] بغدادی و بطریق تاج الاسلام امام سمعانی وغیرہم روایت کرتے ہیں الخ۔ بتلائیے یہ اسناد درست ہے آپ کی عبارت دلالت کرتی ہے کہ امام ابو بکر خطیب بغدادی اور تاج الاسلام امام سمعانی علی بن میمون کو ملے ہیں۔ کیا آپ اس کا ثبوت دے سکتے ہیں۔

مولوی پھلواری صاحب! ایسے دھوکوں سے فائدہ کیا؟ مریدوں کے حلقہ میں شاید یہ تلبیس کام دے جائے۔ تحقیق کے میدان میں تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا جاتا ہے۔

یہ روایت امام شافعیؒ کے مذہب کے خلاف ہے

اس کے علاوہ یہ روایت امام شافعی کے مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ پر سلام ڈالنے کے بعد اگر اپنے لئے دعاء مانگنی ہو۔ تو انکا مذہب ہے کہ مسجد نبویؐ میں مانگے۔ اور قبلہ رخ مانگے چنانچہ اس کا ذکر آگے آئے گا۔ بھلا بتلائیے! کہ قبر نبویؐ کے حق میں تو ان کا یہ مذہب ہو اور دوسرے بزرگوں کی قبر کو تریاق مجرب کہیں یا کچھ اور کہیں۔ کیا یہ نبی

حاشیہ نمبر 1: ابو بکر خطیب بغدادی ۳۹۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۶۳ھ وفات پائی اور تاج الاسلام امام سمعانی ۵۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۶۲ھ میں وفات پائی۔

ﷺ کی توہین نہیں؟ کیا امام شافعیؒ صاحب معاذ اللہ اس کا ارتکاب کر سکتے ہیں؟ حاشا وکلا۔

پھر یہ کیسے لطف کی بات ہے کہ مسئلہ توسل واستمداد کا شروع ہے اور عبارتیں اس مضمون کی نقل ہو رہی ہیں کہ قبروں کے پاس دعاء قبول ہوتی ہے۔ حالانکہ ان عبارتوں کو توسل واستمداد سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ بتلایئے اب ہم آپ کی دیانت اور فہم پر فاتحہ پڑھیں یا نہ؟ اللہ آپ کو ہدایت کرے اور سمجھ دے۔ آمین

پھلواری:۔ اور سنیئے! علامہ ابن الجوزی صفوۃ الصفوۃ میں نقل کرتے ہیں کہ امام ابراہیم حربی نے جو امام احمد کے ارشد تلامذہ سے اور فقہ وحدیث کے امام مطلق تھے فرمایا ہے قبر معروف کرخی التریاق المجرب (وسیلہ جلیلہ ص ۱۳۹)

اور نہ صرف ابن الحربی کا یہ قول ہے بلکہ تمام اکابر بغداد حضرت معروف کرخی کے ساتھ توسل واستمداد کو قضائے حوائج کیلئے تریاق مجرب سمجھتے اور کہتے تھے جیسا کہ ابوالقاسم قسیری جو چوتھی صدی کے اکابر فقہائے محدثین وکبرائے صوفیہ ومشائخ دین سے گزرے ہیں وہ رسالہ قشیریہ (مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱) میں حضرت معروف کرخی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں **کان من المشائخ الکبائر مجاب الدعوۃ یستشفی بقبرہ یقول البغداد یون قبر معروف تریاق مجرب .**

اور ایسا ہی علامہ ابن خلکان نے بھی لکھا ہے (دیکھو وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۱۳۶ اور رسالہ سماع موتی واستمداد صفحہ ۲۲)

تریاق مجرب کی حقیقت

جواب: بغدادیوں کا تریاق مجرب کہنا تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے بریلوی ایسا کہتے ہیں یا دیداری ایسا کہتے ہیں بتلایئے! فریق ثانی کے دل میں اس کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ ہاں

امام ابراہیم حربی کا یہ کہنا کچھ وقعت رکھتا ہے مگر اسکی صحت ثابت نہیں ہوئی پھر صفوۃ الصفوہ کتاب نایاب ہے وہ طبع ہی نہیں ہوئی نہ ہندوستان میں ہے البتہ ملک تونس میں اس ایک نسخہ پانچ جلدوں میں موجود ہے۔

وسیلہ جلیلہ والے نے سنے سنائے ابراہیم حربی کا یہ قول ذکر کر دیا ہے۔ جس کا کچھ اعتبار نہیں ہاں مختصر صفوۃ الصفوہ چھپی ہوئی موجود ہے لیکن اس میں یہ قول نہیں پھر خود ابن الجوزی جن کی کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے اسکے خلاف ہیں۔ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر حاجات کے لئے آنے کی اجازت نہیں دیتے۔ جیسے ابھی آتا ہے تو کیا معروف کرخی رسول سے بھی بڑھ گئے؟ حاشا وکلا۔

اس کے علاوہ اس میں دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ سفر نہ ہو۔ ایک یہ کہ اپنے لئے دعا مانگنے کے ارادے پر نہ جائے بلکہ اس ارادے پر جاوے جس ارادے پر عام طور پر قبروں کی زیارت ہوتی ہے کہ اصل مقصود اپنی موت اور آخرت کی یاد تازہ کرنا ہوتا ہے اور ساتھ ہی اہل قبور کے لئے دعاء بھی ہوتی ہے ایسی حالت میں بالتبع اور ضمناً اپنے لئے دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور قبرستان میں چونکہ موت یاد آ کر دل میں رقت اور نرمی زیادہ آجاتی ہے، خاص کر بزرگوں کی قبروں پر، چنانچہ اس کی تفصیل بھی گزر چکی ہے اور آئندہ بھی آئے گی انشاء اللہ

اور معروف کرخی زیادہ بزرگ مشہور تھے تو اس بناء پر امام ابراہیم حربی نے ان کی قبر کو تریاق مجرب کہہ دیا ہو تو کوئی بعید نہیں۔ یعنی دل نرم ہونے کی وجہ سے قبولیت دعاء زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن امام ابراہیم حربی کے قول کا یہ مطلب بیان کرنا اس کی ضرورت اس وقت ہوگی جب پہلے ثابت ہو جائے کہ واقعی امام ابراہیم حربی نے یہ کہا ہے۔ مگر ابھی تک ثابت نہیں ہوا بہر صورت جیسے آجکل لوگ اپنی حاجات اور ضروریات کا قصد کر کے اور سفر کر کے

جاتے ہیں۔اس کا کوئی ثبوت نہیں قصد اور سفر کر کے جانا تو کہیں رہ گیا۔سلف تو اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتے کہ کوئی شخص قبر نبویؐ کی طرف منہ کر کے اپنے لئے دعاء کرے اور امام ابوحنیفہؒ تو اس بارے میں سب سے زیادہ احتیاط کرتے ہیں۔وہ سلام کے وقت بھی قبر کی طرف منہ کرنا اچھا نہیں سمجھتے۔

امام زین العابدین اور قبر نبوی ﷺ

اور امام زین العابدینؒ وغیرہ جو شخص درود و سلام کے ارادے پر قبر نبویؐ پر آتا اس کو بھی روکتے جس سے ان کا مطلب یہ تھا۔کہ جو مسجد نبوی کے ارادے پر آوے وہ سلام و درود کہے گھر سے قصد کر کے کوئی شخص سلام و درود کیلئے نہ آوے۔اور اس پر دلیل یہ حدیث پڑھ کر سناتے **لا تتخذو اقبری عیدا** یعنی ''میری قبر کو عید گاہ نہ بناؤ'' چنانچہ ان سب باتو ں کی تفصیل گزر چکی ہے بھلا ایسی حالت میں کسی دوسرے کی قبر پر اپنے لئے دعاء کے ارادے پر جانا کیسے جائز ہوگا۔کیا معروف کرخی یا اور بزرگ معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ گئے۔حاشا وکلا

ابن تیمیہؒ نے صراط مستقیم میں قبروں پر اپنی حاجات کے لئے دعاء کے ارادے پر جانا کئی وجوہ سے باطل کیا ہے۔تیسری وجہ کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

الوجه الثالث فی کراهة قصد ها للدعاء ان السلف رضی اللہ عنہم کرهوا ذلك متاولین فی ذلك قوله ﷺ لا تتخذوا قبری عیدا کما ذکر نا ذلك عن علی بن الحسین والحسن بن الحسن ابن عمه و هما افضل اهل البیت من التابعین واعلم بهذا الشان من غیرهما لمجاورتهما الحجرة النبویة نسبا ومکانا وقد ذکرنا عن احمد وغیره انه امر من سلم علی النبی ﷺ وصاحبیه ثم اراد ان یدعو ان ینصرف فلیستقبل القبلة وکذلك انکر ذلك

غیر واحد من العلماء المتقدمین کما لك وغیره ومن المتاخرین مثل ابی الوفاء بن عقیل وابی الفرج بن الجوزی وما احفظ عن صاحب ولا عن تابع ولا عن امام معروف انه استحب قصد شئی من القبور للدعا ء عنده ولا روی احد فی ذ لك شیئا لا عن النبی ﷺ ولا عن الصحابة ولا عن احد من الائمة المعروفین وقد صنف الناس فی الدعاء و اوقاته و امکنته وذکر وا فیه الاثار فماذکر احد منهم فی فضل الدعاء عند شیء من القبور حرفا واحدا فیما اعلم فیکف یجوز والحالة هذه ان یکون الدعاء عنده اجوب و افضل و السلف تنکره ولا تعرفه واتنهی عنه ولاتامر به نعم صار من نحو المائة الثالثة یوجدمتفرقا فی کلام بعض الناس فلا ن ترجی الاجبة عند قبره وفلا ن یدعی عند قبره ونحو ذ لك والانکار علی من یقول ذلك ویامربه کائنا من کان فان احسن احواله ان یکون مجتهدا فی هذه المسألة اومقلد ا فیعفوالله عنه اما ان هذا الذی قاله یقضی استحباب ذ لك فلا بل قد یقال هذا من جنس قول الناس المکان الفلانی یقبل النذر الموضع الفلانی ینذر له ویعینون علینا اوبرا او شجرة اومغارة او حجر ا او غیر ذلك من الاوثان فکما لا یکون مثل هذا القول عمدة فی الدین کذلك الاول .

(صراط مستقیم صفحه ۶۴۱ لغایت صفحه ۶۴۳)

یعنی تیسری وجہ یہ ہے کہ سلف اس قصد کو حدیث لا تتخذوا قبری عیدا کی وجہ سے مکروہ سمجھتے تھے جیسا کہ ہم نے علی بن حسینؓ اور حسن بن حسنؓ ان کے چچازاد بھائی سے ذکر کیا ہے۔ اور یہ دونوں افضل اہل بیت کے ہیں تابعین سے اور اپنے غیر سے اس حالت کے زیادہ عالم ہیں۔ کیونکہ ان کی نسب بھی رسول اللہ ﷺ کے زیادہ قریب ہے اور انکا

مکان بھی آپؐ کے حجرہ سے ملتا ہے۔اور امام احمد وغیرہ سے ہم نے ذکر کیا ہے۔کہ وہ اس شخص کو جو نبی ﷺ اور آپؐ کے دونوں ساتھیوں پر سلام ڈال کر دعاء کا ارادہ کرتا،حکم دیتے کہ قبلہ کی طرف منہ کرے۔اسی طرح بہت علماء نے متقدمین سے قبر کی طرف منہ کرنے پر انکار کیا ہے۔جیسےؒ (مالکؒ)وغیرہ۔اور متاخرین سے بھی بہت انکار کیا ہے جیسے ابو وفاء بن عقیل اور ابوالفرج بن الجوزی اور مجھے نہ کسی صحابی سے یاد ہے نہ کسی تابعی سے،نہ کسی مشہور امام سے کہ انہوں نے قبر کی طرف دعاء کے لئے قصد کرنا مستحب سمجھا ہو۔نہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کچھ روایت کیا ہے۔نہ صحابی سے نہ مشہور اماموں سے۔اور لوگوں نے دعاء کے اوقات اور مواضع میں کتابیں لکھی ہیں جن میں سلف کے آثار ذکر کیے ہیں۔پس کسی نے قبروں پر دعاء کی فضیلت میں ایک حرف بھی روایت نہیں کیا۔تو ایسی حالت میں کس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ قبروں کے پاس دعا زیادہ قبول ہو۔اور افضل ہو حالانکہ سلف اس پر انکار کریں۔اور اس کو معروف نہ جانیں اور منع کریں اور حکم نہ دیں ہاں (سلف کے بعد قریبا) تیسری صدی سے کہیں کہیں سے یہ آواز آتی ہے کہ فلاں قبر کے پاس اجابت دعاء کی امید کی جاتی ہے۔اور فلاں قبر کے پاس لوگ دعاء مانگتے ہیں اور دوسری طرف سے اس آواز پر انکار ہوتا ہے خواہ یہ آواز کسی کی ہو۔کیونکہ اگر اس آواز والا نیک نیت ہو تو مجتہد ہوگا یا مقلد ہوگا۔پس اللہ اسکو معاف کرے۔لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے۔وہ مستحب ہو جائے۔بلکہ اس آواز کی بابت یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔کہ یہ ایسی ہے جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں جگہ اس لائق ہے۔کہ اس کی نذر مانی جائے۔اور فلاں جگہ کی نذر لوگ مانتے ہیں۔اور کبھی کوئی چشمہ معین کرتے ہیں،کبھی کنواں،کبھی درخت ،کبھی غار،کبھی پتھر کبھی مثل اس کے اور بت۔پس جیسے ان باتوں پر دین میں اعتماد نہیں ہوتا اسی طرح اس آواز پر کچھ اعتماد نہیں ہوسکتا۔کہ فلاں قبر پر اجابت دعاء کی امید ہے۔اور فلاں

قبر پر یوں ہوتا ہے(کیونکہ یہ سب سلف کے خلاف ہے)

خیر یہ تو قبروں کے محل اجابت دعاء ہونے نہ ہونے کا مسئلہ تھا۔ کہ اپنی حاجات اور ضروریات کیلئے قبروں پر دعاء مانگنے کا قصد کر کے جانا ثابت ہے یا نہیں۔ اب توسل و استمداد کا مسئلہ سنیئے!

توسل اور استمداد

مولوی پھلواری صاحب نے پہلے سماع موتی کے ثابت کرنے کی کوشش کی۔ پھر میت کے لئے تصرفات ثابت کرنے کی کوشش کی اس سے مقصود انکا یہ تھا۔ کہ اگر ہم میت سے کسی قسم کی حاجت چاہیں۔ تو وہ پوری کر سکتی ہے۔ یا میت کو کہیں کہ ہمارے لئے خدا کے پاس سفارش کر کہ ہماری فلاں مراد حاصل ہو جائے۔ تو وہ سفارش کرتی ہے۔ اور یہی وہ توسل و استمداد ہے۔ جس کی بحث مولوی پھلواری صاحب نے اس رسالہ میں شروع کی تھی اور جس کا ثابت کرنا اس رسالہ میں انکا مقصود تھا۔ لیکن اس کی دلیل چونکہ مولوی پھلواری صاحب کو اپنے زعم میں بھی تسلی بخش نہیں ملی۔ اور ایک دوسرا مسئلہ یعنی قبروں کا محل اجابت دعاء ہونا اس کو وہ اپنے زعم میں مدلل سمجھے ہوئے ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ کے سہارے سے توسل و استمداد کے مسئلہ میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ یعنی دلیل ذکر کرتے ہیں۔ کہ فلاں کی قبر محل اجابت دعاء ہے۔ اور فلاں کی قبر دعاء قبول ہونے کی امید ہے۔ اور نتیجہ یہ لگاتے ہیں۔ کہ میت سے توسل و استمداد کا مسئلہ ثابت ہو گیا حالانکہ توسل و استمداد سے مقصود تو میت سے درخواست کرنا ہے اور قبر کے محل اجابت دعاء ہونے کے صرف یہ معنی ہیں کہ وہاں اپنی حاجات کے لئے خدا سے دعاء کریں۔ یہ دعاء عام جگہوں کی دعا سے شرعاً بہتر اور افضل اور زیادہ قابل قبول ہو۔ جیسے مسجدیں اسی غرض کیلئے ہیں۔ خاص کر مسجد حرام یا مسجد نبوی یا مسجد اقصیٰ۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ مولوی پھلواری صاحب کس حکمت عملی سے کام لے رہے ہیں۔ کہ انجان پر اپنی کمزوری ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ جس کسی مسئلہ میں رہ جاتے ہیں تو دوسرا مسئلہ چھیڑ دیتے ہیں تا کہ انجان (ناواقف) کو معلوم ہو کہ تحریر مسلسل چل رہی ہے اور عموما اس رسالہ میں ان کی یہی حالت ہے ۔ دیکھئے! پہلے سماع موتی کا ذکر کیا۔ تو لے بیٹھے اخروی باتوں کا علم وشعور یا ان باتوں کا علم وشعور جن کو میت مرنے سے پہلے جانتی تھی جیسے صفحہ ۲۲ میں ہم بتلا چکے ہیں۔ جب تصرفات کا مسئلہ آیا۔ تو اس میں سماع موتی کا مسئلہ لے بیٹھے۔ چنانچہ اس کا ذکر بھی صفحہ ۲۵ میں گزر چکا ہے۔ اس کے بعد جب توسل واستمداد کا وقت آیا تو مسئلہ قبر کا محل اجابت دعاء ہونا لے بیٹھے۔ ابھی آگے کچھ اور سنیئے :۔

پھلواری :۔ امام ابوبکر بن خزیمہ جو وسط تیسری صدی کے امام الائمہ اور شیخ شیوخ المحدثین تھے جن کو امام سبکی امام الائمہ المجتهد المطلق ''البحر الحجاج'' لکھتے ہیں (دیکھو طبقات کبری للسبکی جلد ۲ صفحہ ۱۳۰ اور ذہبی الحافظ لکبیر امام الائمہ شیخ الاسلام وغیرہ لکھتے ہیں۔ دیکھو تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۶ ۸ ان کا حال پڑھو اور دیکھو کہ وہ امام خراسان امام ثامن جامن سید نا امام علی بن موسی الرضاء علی اباہٗ وعلیہ التحیۃ السلام کی زیارت مع جماعت اکابر محدثین واعیان علماء وقت کس ادب واحترام سے حاضر ہوتے اور مشہد مقدس میں کس درجہ خضوع ،تواضع وتضرع برتتے تھے۔ اور فیوض برکات رضویہ سے مالا مال ہو کر واپس آتے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں۔

قال (الحاكم) وسمعت ابابكر محمد بن المؤمل بن الحسن بن عيسى يقول خرجنا مع امام اهل الحديث ابى بكر بن خزيمه وعديله ابى على الثقفى مع جماعة من مشائخنا وهم اذ ذاك متوافرون الى زيارة قبر على بن موسى الرضا بطوس قال فرأيت من تعظيمه يعنى ابن خزيمة لتلك

البقعة وتواضعه لها وتضرعه عندها ما تحيرنا (تهذيب التهذيب مطبوعه ذائرة المعارف جلد۷ صفحه ۳۸۸

ابوبکر محمد بن مؤمل کہتے ہیں ہم اپنے مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ علی بن موسیٰ رضا کی قبر کی زیارت کے لئے نکلے۔ اور مشائخ اس وقت بہت تھے میں ابن خزیمہ کی اس جگہ کیلئے تعظیم اور تواضع اور عاجزی دیکھ کر حیران رہ گیا۔

اور محدث مشہور ابو حاتم ابن صہبان (صاحب الصحیح) کا واقعہ ہے کہ ان کی آنکھوں میں حرج تھا۔ وہ حضرت سیدنا امام رضاء سلام اللہ تعالیٰ کے مشہد مقدس میں حاضر ہوئے اور امام کے روضہ مقدسہ پر بتوسل امام دعاء کی اور فیض و برکت رضویہ سے ان کی آنکھوں کا حرج جاتا رہا۔

اور سنو! امام حافظ ابو القاسم ابن عساکر محدث شام فرماتے ہیں۔ کہ مجھ سے شیخ صالح علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن عمر الصفار الاسفرائنی نے روایت کی ہے کہا سفرائن میں ابو عوانہ محدث کا مزار زیارت گاہ عالم ہے اور مخلوق ان کی قبر سے تبرک و فیوض حاصل کرتی ہے۔ پھر وہ اپنے جد امجد امام عمر صفار کا حال بیان کرتے ہیں۔ (جو بیک واسطہ استاذ ابو القاسم قشیری وغیرہ کے شاگرد اور شیخ العصر تھے۔ جن کو تاج الاسلام عبد الکریم معانی امام **فاضل بارع برز من بيت العلم والحديث** لکھتے ہیں۔ (دیکھو طبقات الشافعیہ للامام السبکی جلد ۴ صفحہ ۲۸۰) کہ وہ جب استاد ابو اسحاق کی قبر مبارک پر جاتے تھے۔ تو کمال ادب و تعظیم سے کھڑے رہتے تھے۔ اور جب مشہد ابو عوانہؒ میں حاضر ہوتے تھے تو اس سے بھی کہیں زیادہ تعظیم و اجلال و توقیر مد نظر رکھتے۔ اور بڑی دیر تک کھڑے رہ کر فیض و برکت حاصل کرتے رہتے تھے۔ (تاریخ ابن خلکان مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۳۰۸) (رسالہ سماع موتی و استمداد صفحہ ۲۳-۲۴-۲۵-۲۶)

حکایات اوران کی تحقیق

جواب: ابو حاتم محدث کا جو واقعہ بیان کیا ہے وہ تو جھوٹ ہے اس لئے اس کا حوالہ ہی نہیں دیا۔ اور ابو بکر بن خزیمہ کے واقعہ میں صرف ادب واحترام ہے۔ جس سے کسی کو انکار نہیں ۔ اسی طرح ابوعوانہ کے واقعہ میں بھی صرف ادب واحترام ہے ہاں اس میں تقبیل عتبہ کا یعنی بوسہ دھلیز کا ذکر زیادہ ہے ۔ جس کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ۔ کیونکہ جب نبی اکرم ﷺ کی قبر کا بوسہ جائز نہیں، تو کسی کے عتبہ کا کیا جائز ہوگا؟ جیسے صفحہ ۴۶-۴۷ میں امام غزالیؒ سے ہم نقل کر چکے ہیں ۔ اور امام مالکؒ ہاتھ لگانے کی بھی اجازت نہیں دیتے چہ جائیکہ بوسہ کی اجازت دیں ۔ اسی طرح امام احمدؒ ہاتھ لگانے کی بابت فرماتے ہیں **ما اعرف هذا** یعنی میں اس کو نہیں پہچانتا ۔ ملاحظہ ہو صراط مستقیم صفحہ ۶۳۹-۶۸۸ اور کتب فقہ میں بھی اسے بدعت لکھا ہے ملاحظہ ہو کبیری شرح منیہ صفحہ ۵۶۲ ۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ جو بات سلف سے ثابت نہ ہو اس سے بچنا چاہئے ۔ اور سلف سے اس کا نام ونشان نہیں پایا جاتا ۔ جیسے کبیری شرح منیہ کے اسی صفحہ پر اس کی تصریح کی ہے اور اسی وجہ سے اس کو بدعت کہا۔

تاریخ ابن خلکان میں اس محل پر لکھا ہے کہ یہ عتبہ کئی سیڑھیاں اونچی تھی تو شائد عمر صفار نے یہ خیال کیا ہو۔ کہ اس کے بوسہ لینے میں سجدہ کی صورت پیدا نہیں ہوتی ۔ اس لئے کوئی حرج نہیں ۔ مگر عمر بن صفار کی پھر بھی غلطی ہے ۔ کیونکہ اصل وجہ منع ہونے کی یہ ہے کہ یہ بدعت ہے۔

خیر، اس مسئلہ کا ذکر تو بالتبع ہے اصل مسئلہ توسل واستمداد کا شروع ہے اس پر مولوی پھلواری صاحب نے ایک دلیل بھی نہیں دی ۔ اس سے پہلے عبارت میں قبر کا محل

اجابت دعاء ہونا ثابت کر کے مسئلہ توسل واستمداد ثابت کرنا چاہتے تھے۔اب سے محل اجابت دعاء ثابت کرنے سے بھی رہ گئے۔آگے خدا جانے کیا ہو خیر سنیئے!

پھلواری:۔ذیل میں ایک اور قابل قدر اور عجیب روایت پیش کرتا ہوں۔جو ایک جماعت فقہاء ومحدثین سمرقند کا امام بخاریؒ کی قبر سے توسل وتشفع کا واقعہ ہے۔اور جس کو اکابر محدثین نے اپنی اسناد عالیہ سے روایت کیا ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام حجۃ الحفاظ امام تاج الدین سبکی اپنی طبقات (جلد۲ صفحہ۵) میں فرماتے ہیں اور نیز علامہ قسطلانی محدث شارح صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۳۳ میں لکھتے ہیں کہ

قال ابو علی الغسانی الحافظ اخبرنا ابو الفتح نصر بن الحسن السکنی السمرقندی قدم علینا بلنسیه عام اربعین وستین واربع مائة قال قحط المطر عندنا بسمر قندفی بعض الاعوام فاستسقی الناس مرارا فلم یسقوا فانی رجل صالح معروف بالصلاح الی قاضی سمرقند فقال له انی قد رأیت رایا اعرضه علیك قال و ما هو قال اری ان تخرج ویخرج الناس معك الی قبر الامام محمد بن اسماعیل البخاری ونستسقی عنده فعسی الله ان یسقینا فخرج القاضی والنا س معه واستسقی القاضی بالناس وبکی الناس عبد القبر وتشفعوا لصاحبه فارسل الله السماء بماء عظیم غزیر فقام الناس من اجله طز تنك سبعة ایام او نحوها لا یستطیع احدا لوصول الی سمر قند من کثرة المطر وغزاوته وبین سمر قند وخر تنك نحو ثلثه امیال.

(خلاصہ) استاد حافظ ابو علی غسانی محدث ۴۹۸ھ کہتے ہیں۔کہ مجھ سے شیخ ابو الفتح نصر سمرقندی نے مقام بلنسیہ میں ۴۶۴ھ میں بیان کیا کہ ایک سال سمرقند میں سخت قحط

ہوا۔ بار ہانماز استسقاء پڑھی گئی۔ مگر بارش نہ ہوئی۔ آخر ایک صالح ومعروف بزرگ سمرقندی نے قاضی سمرقند کو یہ مشورہ دیا کہ سب لوگ امام بخاریؒ کی قبر پر چلیں وہاں خدا سے دعاء مانگیں۔ امید ہے کہ اللہ پاک امام کی برکت سے دعاء قبول فرمائے گا قاضی شہر نے اس رائے کی بہت تحسین فرمائی اور تمام لوگوں کو لے کر سمرقند سے نکلے۔ اور مزار امام بخاریؒ پر جا کر خدا سے بارش کی دعاء مانگی۔ لوگ امام کی قبر پر خوب روئے پیٹے اور امام کو توسل وتشفع کر کے دعائیں کی گئیں۔ اسی وقت پانی برسنا شروع ہوا اور اس قدر بارش ہوئی کہ خرتنگ (جہاں امام کا مزار ہے) سے تین میل سمرقند تک جانا غیر ممکن تھا۔ قریباً سات دن تک کثرت بارش کے باعث تمام لوگ وہیں رکے رہے۔

اب غور کرو کہ اگلے علماء وفقہاء ومحدثین کا مسلک وروش وطریقہ ومشرب کیا تھا۔ اور موجودہ فرقہ مدعی عمل بالحدیث کا مسلک وروش کیا ہے۔

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا کجا

اگلے محدثین اہل قبور سے توسل واستمداد کے برابر قائل وفاعل تھے اور اس کو شرعاً جائز ومندوب سمجھتے اور کہتے تھے۔ جیسا کہ واقعات وحوائجات مرقومہ بالا سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ حتی کہ متقدمین کی جماعت میں سے وہ محدثین بھی جن کا تشدد وتقشّف اور صوفیہ کرام سے تعصب دنیا میں مشہور ہے اس مسئلہ میں وہ بھی مشائخ دین کے ہم مسلک نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ابن الجوزی محدث جیسا شخص قبور اولیاء وصالحین سے توسل واستفاضہ وتبرک واستمداد کا پوری طرح قائل وفاعل ہے۔ علامہ ممدوح اپنی کتاب صید الخاطر میں اپنی حالت بیان کرتے ہیں۔ کہ بدایۃ الامر میں کثرت زہد نے میرے قلب میں ایک خاص لذت وحلاوت پیدا کر دی تھی۔ پھر وہ حالت بعض وجوہ سے متغیر ہوگئی۔ میں جب اس کی اصلاح سے عاجز آگیا۔ اور پریشانی بڑھنے لگی تو میں نے قبور صالحین کی طرف

توجہ کی۔اوران سے توسل کیا اور الحمدللہ پھر دہ پہلی بات جوگم ہوگئی تھی۔اہل قبور کی برکت سے مجھے حاصل ہوگئی۔علامہ کے خاص الفاظ اس موقعہ کے یہ ہیں۔

میں نے قبور صالحین کی طرف پناہ لی۔پس خدائی مہربانی نے مجھے خلوت کی طرف کھینچا۔

کسی چیز کا وجود اس کے مستحن ہونے کی دلیل نہیں

جواب: ناظرین خیال فرمائیں کہ جن لوگوں پر رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریق پر عمل کرنے سے بارش نہ ہو اور جو ان کی رائے میں آیا ہے۔اس طریق پر عمل کرنے سے بارش ہو۔وہ کیسے نیک ہوں گے۔ایک بار نہیں بلکہ کئی بار عمل کر چکے ہیں۔کچھ اثر نہیں ہوتا۔جب ایک شخص کی رائے پر عمل ہوتا ہے۔اور صرف ایک بار عمل ہوتا ہے تو اتنی بارش ہوتی ہے کہ ایک ہفتہ تک گھروں میں واپس آنا غیر ممکن ہوگیا ہے۔اسی سے سارے قصہ کی قدر ومنزلت معلوم ہوسکتی ہے۔اور یہ بات پہلے صفحہ گزر چکی ہے کہ کسی کام ہو جانا اس کے اچھا ہونے کی دلیل نہیں۔بلکہ خلاف شرع کر کے انسان کا مطلب نکل آئے تو اس کو استدراج کہتے ہیں۔

اگر یہ شخص رائے دینے والا واقعی نیک تھا اور یہ غلطی اس سے کمی علم کی وجہ سے ہوئی۔اور باقی شہر والوں کو اس کی صلاحیت سے دھوکا ہوا تو ہماری دعاء ہے کہ اللہ معاف کرے لیکن ان کے اس عمل کو ہم کسی صورت اچھا نہیں کہہ سکتے۔کیونکہ اس میں سراسر رسول اللہ ﷺ کا بتلایا ہوا طریق نکما ثابت ہوتا ہے **اعاذنا الله منه**۔

رہا ابن جوزی کا واقعہ سو اول تو یہ با اسناد ثابت ہی نہیں پھر اس کا آپ نے مطلب ہی نہیں سمجھا۔

اصلاح قلب اور زیارت قبور

حدیث میں ہے، **زوروا القبور فانها تذکر الموت** (مشکوۃ صفحہ ۱۵۴) یعنی قبروں کی زیارت کرو کیونکہ وہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے۔ **زوروها فانها تزهد فی الدنیا وتذکر الاخره (مشکوۃ صفحہ ۱۵۴)**

یعنی قبروں کی زیارت کرو۔ کیونکہ وہ دنیا سے بے رغبت کرتی ہیں اور آخرت یاد دلاتی ہیں۔

اور صفحہ ۴۷ میں گزر چکا ہے کہ جس شئے کی دل میں بڑھائی ہو۔ یا محبت ہو اس کی جدائی کا صدمہ بھی بڑا ہوتا ہے۔ اور اسکا کہیں ذکر ہو یا اس کے آثا کہیں نظر آ جائیں۔ تو اس کی عظمت اور محبت کے جوش کی وجہ سے دل پر ایسی رقت اور نرمی طاری ہوتی ہے۔ کہ بعض اوقات اس کا ضبط مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے نیکوں کی قبروں کی زیارت زیادہ مفید ہے۔ اور یہی وہ فیض اور برکت ہے۔ جو نیکوں کی قبروں سے خاص ہے۔ نہ یہ کہ میت کچھ تصرفات کرتی ہے۔ حاشا وکلا۔

ابن جوزی کے دل کی حالت چونکہ اچھی نہ رہی تو انہوں نے قبور صالحین کی زیارت شروع کی۔ اور اس زیارت کو دل کی اصلاح کا وسیلہ اور ذریعہ بنایا۔ سو اللہ نے اپنے فضل سے دل ٹھیک کر دیا۔ اور اس کا میں نے اپنے اوپر خود تجربہ کیا ہے ۱۹۱۲ء یا ۱۹۱۳ء میں تقریباً ڈیڑھ ماہ علی گڑھ سر سید احمد کی کوٹھی پر ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ اس کے شمال مشرق میں بعض طلباء کی قبریں ہیں۔ جو کہیں کہیں سے پڑھنے آئے اور ان کی آرزوئیں اسی خاک میں مل گئیں۔ چونکہ میرا بھی طالب علمی کا زمانہ تھا۔ اکثر زیارت کو جاتا تو ان کی حالت کا نقشہ سامنے آ جاتا۔ اور دل کو مخاطب ہو کر کہتا کہ اے دل! تیرا بھی طالب علمی کا زمانہ ہے اور اپنے اندر بہت سی امنگیں رکھتا ہے۔ خدا جانے پوری ہوں یا نہ۔ خطرہ ہے کہ تو بھی ان کی طرح موت کا شکار ہو جائے۔ اور تیرا کوئی ارمان نہ نکلے پس بہتر ہے کہ تو اپنا تعلق اس

ذات سے پیدا کر جس کا ارشاد ہے۔

کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام .

جو زمین پر ہے فانی ہے صرف تیرے رب کی ذات بزرگی اور عزت والی باقی رہے گی۔تا کہ اس کی بقاء کے ساتھ تیرا تعلق باقی رہے۔

اس تھوڑی سی مدت میں میرے دل کی یہ حالت ہوگئی کہ دنیا کی اچھی سے اچھی شئے اچھی نہ لگی نہ کسی سے بات کرنے کو دل چاہتا۔اس حالت میں قرآن مجید پڑھنے کا اتفاق ہوتا۔تو ایسا پیارا معلوم ہوتا کہ ماں کو بھی بچے کے ساتھ پیار نہ ہوتا۔ایک دن جو مجھے زیادہ محبت آئی تو میں نے اٹھا کر چھاتی سے لگالیا۔دل کو ایسا آرام پہنچا گویا مچھلی پانی میں آ گئی یا پیاس سے بیقرار کو ٹھنڈا پانی مل گیا۔اگر چہ میری وہ حالت نہیں رہی۔مگر الحمدللہ اس حالت کی حلاوت باقی ہے۔اللہ تعالیٰ اسی پر خاتمہ کرے آمین۔

اس قصہ سے میری غرض یہ ہے کہ لوگ اپنے دل کی اصلاح میں بہت دھوکا کھاتے ہیں کئی مجاور بن کر بیٹھے ہیں۔کئی میت کی روحانی توجہ چاہتے ہیں۔اور اس طرف اپنی طبیعت کو لگاتے ہیں کئی تصور شیخ میں اپنے دل کی صفائی ڈھونڈتے ہیں۔مگر یہ سب بدعی طریقے ہیں بہتر طریقہ وہی ہے۔جو سنت کے مطابق ہو سو وہ وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے۔جن میں سے ایک قبروں کی زیارت ہے کیونکہ آپ کے فرمان کے مطابق واقعی دنیا سے بے رغبتی ہو جاتی ہے۔اور آخرت سامنے آجاتی ہے۔اور یہی ابن جوزی کی مراد ہے مولوی پھلواری صاحب کو خدا سنت کی محبت دے تو اس پر عمل کر کے آزمالیں (واللہ الموفق)

تنبیہ: مولوی پھلواری صاحب کی تحریر یہاں ختم ہوگئی صرف تھوڑی سی باقی ہے۔جس میں وہ ہمیں ہدایت کرتے ہیں کہ توسل واستمداد کو برا نہ کہو اور اسکے قائلین پر فتوے نہ لگاؤ۔کیونکہ یہ مسئلہ سلف صالحین واکابر علمائے دین میں مختلف فیہ ہو چکا ہے۔اور مسائل خلافیہ میں کسی

جانب کو انکار کا حق نہیں۔ جیسے اصول میں ثابت ہو چکا ہے۔ مسلم الثبوت اور اس کی شرح میں بھی اس کو لکھدیا ہے۔ اور امام عبدالوہاب شعرانی وعلامہ ذہبی وغیرہما نے بھی تصریح کر دی ہے۔ اور شرح مقاصد میں بھی موجود ہے کہ مسائل مختلف فیہا میں انکار ونکیر اور تشدد نہیں ہو سکتا نہ کسی کو بدعتی، فاسق، گمراہ کہا جا سکتا ہے۔ اور ایسا ہی امام المحدثین امام احمد بن حنبلؒ سے بھی غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۴۳ میں مروی ہے کہ وہ جناب فرماتے ہیں۔

فالانکار انما یتعین فی خرق الاجماع دون المختلف فیه (رساله سماع موتی واستمداد صفحه ۲۷)

یعنی خلاف اجماع بات پر انکار چاہئے نہ اختلافی بات پر۔

یہ مولوی پھلواری صاحب کی تحریر کے اخیری حصہ کا خلاصہ ہے، سو جواب اس کا یہ ہے کہ اگر آپ توسل واستمداد کی بابت اپنے دعویٰ کے مطابق سلف میں اختلاف ثابت کر دیں۔ تو ہم بھی آپ پر انکار ونکیر نہیں کریں گے۔ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ حق کہنے سے چارہ نہیں۔ بلکہ بعض دفعہ بے خبری سے یا غلطی سے کسی سلف سے آیت وحدیث کا خلاف ہو جائے تو اس پر بھی انکار ونکیر ضروری ہے۔ اگر چہ بوجہ بے خبری یا غلطی کے اس سلف کو برا نہیں کہا جاتا۔ مگر بعد کے لوگ اس پر اڑیں تو وہ برے ہیں۔ کیونکہ حق واضح ہونے کے بعد اڑنا مومن کی شان نہیں۔ بلکہ متبع ہونا برا کام ہے۔ خدا اس سے محفوظ رکھے آمین۔

تنبیہ آخر: مولوی پھلواری صاحب کی تحریر کے بعد اس رسالہ کے اخیر میں بطور ضمیمہ مولوی غلام احمد ایڈیٹر ''الفقیہ'' کی تحریر ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کے حاضر وناظر ہونے پر **السلام علیك ایها النبی** سے استدلال کیا ہے۔ جو التحیات میں پڑھا جاتا ہے۔ اور سماع موتی میں وہی دلائل پیش کیے ہیں جو مولوی پھلواری صاحب نے کئے ہیں۔ چونکہ سماع موتی کے دلائل کا جواب مولوی پھلواری صاحب کے جواب میں آگیا ہے اور **السلام**

عليك ايها النبى کا جواب بھی صفحہ ۱۵ تا ۲۰ میں گزر چکا ہے اس لئے اب اس پر لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں رہی۔

تنبیہ آخر: بعض اور روایتیں ہیں۔ لوگ ان کو توسل واستمداد کے لئے پیش کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ مختصر طور پر ان کا بھی ذکر کر دیں۔ لیکن جواب میں زیادہ تر صیانۃ الانسان کا حوالہ ہوگا۔ جو شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم سندی کی تصنیف ہے۔ اور بعض جگہ صراط مستقیم ابن تیمیہ وغیرہ کا حوالہ بھی ہوگا اور کہیں کہیں بریکٹ میں ہماری عبارت بھی ہو گی۔ انشاءاللہ

اول: عتبی سے روایت ہے اور بعض اس کو سفیان بن عینیہ سے سے روایت کرتے ہیں۔ اور عتبی اور سفیان بن عینیہ دونوں امام شافعیؒ کے استاد ہیں۔ عتبی کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس بیٹھا تھا ایک اعرابی آیا۔ اس نے پہلے رسول اللہ ﷺ پر سلام ڈالا۔ پھر کہا اللہ نے آپؐ پر سچی کتاب اتاری ہے اس میں یہ آیت بھی ہے۔ **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك الايه** پ۵۔ یعنی جب انہوں نے ظلم کیا اس وقت آپ کے پاس آتے۔ پس اللہ سے بخشش مانگتے۔ اور رسول بھی ان کے لئے بخشش مانگتا تو اللہ کو تواب رحیم پاتے۔

یہ آیت پڑھ کر کہا کہ میں آپ کے پاس اپنے گناہ کیلئے بخشش مانگتا ہوا آیا ہوں۔ تاکہ آپ میرے لئے بخشش کریں۔ اور اس کی موئد یہ روایت بھی ہے۔ جو قاضی بن اسماعیل بن اسحاق نے کتاب فصل الصلوۃ علی النبی میں بکر مزنی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری حیات و وفات دونوں تمہارے لئے بہتر ہیں تم مجھے باتیں سناتے ہو میں تمہیں۔ میں مر جاؤں تو تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے۔ تو میں خدا کی حمد کروں گا۔ اگر برے ہوئے تو بخشش مانگوں گا۔

یہ روایت ثابت نہیں

جواب: اس روایت کی اسناد ثابت نہیں ۔ الصارم المنکی میں کہا ہے کہ اس روایت کو بعض عتبی سے بلاسند ذکر کرتے ہیں اور بعض اس کو محمد بن حرب حلالی سے روایت کرتے ہیں اور بعض محمد بن حرب سے وہ ابی الحسن الزعفرانی سے وہ اعرابی سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں اسکو اسناد مظلم (ردی) کے ساتھ ذکر کیا ہے محمد بن روح بصری سے وہ ابو حرب حلالی سے یعنی کہا ایک اعرابی نے حج کیا پھر مدینہ پہنچ کر مسجد نبویؐ میں داخل ہوا یہاں تک کہ قبر نبویؐ پر آیا۔ الخ۔ اور بعض نے اس کے لئے جھوٹی اسناد حضرت علیؓ تک جوڑی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے تین دن بعد ایک اعرابی آیا الخ اور اس کے اخیر میں یہ بھی ہے کہ قبر سے آواز آئی کہ تجھے بخشا گیا۔

یہ روایت موضوع ہے اور اس کی اسناد بہت ردی ہے۔ اس میں ایک راوی ہیثم طائی ہے جس کی بابت میرا خیال ہے کہ وہ ہیثم بن عدی طائی ہے۔ جو متروک ہے۔ (اس کے علاوہ اعرابی جنگلی) کے فعل کا اعتبار ہی کیا ہے کیا اس کے ساتھ بھی کوئی مسئلہ ثابت ہوسکتا ہے؟ حاشا وکلا۔ رہی ابوبکر مزنی کی روایت تو اس کے دو جواب ہیں ایک جواب اس کا یہ ہے کہ صارم منکی میں لکھا ہے کہ یہ مرسل ہے اور مرسل ضعیف کی قسم سے ہے پھر اعرابی کی روایت میں کچھ جان ہوتی تو اس مرسل سے اسکی تائید بھی ہوسکتی مگر اعرابی کی روایت بالکل بیکار ہے ایک تو اعرابی (جنگلی) کا فعل شرعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتا دوسرا اس کی اسناد بالکل ردی ہے۔ ایسی ردی اس تائید سے لائق استدلال نہیں ہوسکتی۔ ملاحظہ ہو شرح نخبہ وغیرہ خاص کر عقائد کے بارے میں اور مسائل توحید میں جو زیادہ محل احتیاط ہیں۔ ان میں ایسی روایتوں کا بالکل اعتبار نہیں۔ دوسرا جواب ابوبکر مزنی کی روایت کا یہ ہے کہ یہاں مسئلہ

استمداد کا شروع ہے یعنی یہ بحث ہو رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یا کسی اور بزرگ کی قبر پر جا کر سوال کرنا کہ میرے لئے دعاء کر دو یا میری فلاں حاجت پوری کر دو یہ کسی آیت و حدیث سے ثابت ہے یا نہیں ۔ ابوبکر مزنی کی روایت میں اس کا نشان نہیں ۔ تو وہ کس طرح تائید یا دلیل بن سکتی ہے بلکہ خطرہ ہے کہ شریعت کی اجازت کے بغیر قبر پر جا کر سوال کرنا شرک میں داخل ہو کر آپکی شفاعت سے محرومی کا باعث ہو جائے اور آپ بخشش کی دعاء ہی نہ کریں اللہ تعالی ایسی لغزش سے بچائے جو رسولؐ سے قرب کی بجائے دور کرے آمین ۔

دوم : قسطلانیؒ مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں ۔ آپؐ کی قبر پر ایک اعرابی آیا اور کہا یا اللہ تو نے غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیا ہے اور میں بھی تیرا غلام ہوں تو مجھے اپنے حبیبؐ پر آزاد کر دے غائب سے آواز آئی کہ تو نے سارے مومنوں کی آزادی کا کیوں سوال نہ کیا جا میں نے تجھے آزاد کر دیا ۔

جواب: اس روایت کی قسطلانیؒ نے کوئی اسناد ذکر نہیں کی ۔ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ آواز دینے والا کون ہے ۔ شاید شیطانی دھوکا ہو کیونکہ شیطان انسان کے گمراہ کرنے کے لئے بڑی چالیں چلتا ہے اور ایسے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے ۔

شیطانی دھوکہ

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی بلاغ المبین میں لکھتے ہیں کہ شاہ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں جا رہا تھا پیاس بھڑکی ۔ پانی نہ ملا خدا تعالی نے اپنے فضل سے مجھ پر ایک ابر کر دیا جس سے چند قطرے پانی برسا ۔ اس سے ذرا مجھے تسکین ہوگئی ۔ اس کے بعد ایک اور ابر ظاہر ہوا جو آسمان کے تمام کناروں پر پھیل گیا ۔ اور اس سے ایک عجیب صورت ظاہر ہوئی ۔ اور اس نے آواز دی کہ

اے عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں جو اشیاء میں نے دوسرں پر حرام کی ہیں تجھ پر حلال کر دیں پس جو تیری خواہش ہو لے اور جو مرضی کر۔ شاہ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں میں نے کہا **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** دور ہو اے ملعون! یہ کیا بیہودہ بات ہے میرے یہ کہتے ہی نور اندھیرے سے بدل گیا اور وہ صورت غائب ہوگئی۔ اور کہا اے عبدالقادر! تو اپنے علم کے زور مجھ سے بچ گیا۔ ورنہ اس مکر سے میں نے ستر ولی گمراہ کر دیئے۔ شاہ عبدالقادر کہتے ہیں۔ میں نے جواب دیا میں نے خدا کے فضل سے نجات پائی یعنی اے ملعون! یہ بھی تیرا دھوکا ہے تو چاہتا ہے کہ یہ اس پھندے میں نہیں آیا۔ تو شاید علم ہی کے تکبر میں ہلاک ہو جائے۔

یہ قصہ نقل کر کے شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔ یہ دھوکا معمولی ہے۔ شیطان اس بھی بڑے دھوکوں پر قادر ہے تفاسیر میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سورہ نجم پڑھ رہے تھے کہ شیطان نے درمیان آواز دی تا کہ لوگ سمجھیں کہ یہ بھی رسول کی آواز ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بت بھی شفاعت کر سکتے ہیں۔

جب شیطان اتنے بڑے بڑے دھوکے دے سکتا ہے تو اس اعرابی کے جواب میں جو رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر آیا یہ کہہ دیا۔ کہ تو آزاد ہے تو یہ کوئی بڑی بات ہے۔

اسکے علاوہ اعرابی کی بات کوئی دلیل شرعی نہیں۔ تا کہ اس سے کوئی مسئلہ ثابت ہو سکے (پھر اس میں رسول اللہ ﷺ سے توسل و استمداد کا کوئی ذکر نہیں) (صیانۃ الانسان صفحہ ۲۵۶ و صفحہ ۲۵۷)

سوم: قسطلانی مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں۔ حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ حاتم اصم قبر نبویؐ پر آئے اور کہا یا اللہ! ہم نے تیرے نبیؐ کی قبر کی زیارت کی ہے۔ پس تو ہمیں (ثواب سے) محروم نہ کر آواز آئی کہ ہم نے اپنے حبیب کی قبر کی زیارت کا اذن تجھے اسی

لئے دیا ہے۔ کہ تجھے اپنا مقبول بنائیں جا تجھے اور تیرے ساتھ جو زیارت کو آئے ہیں ہم نے بخش دیا ہے۔

روایت بے سند ہے

جواب: یہ روایت بھی بے سند ہے پھر اس آواز کا بھی پتہ نہیں۔ رحمانی ہے یا شیطانی۔ اس کے علاوہ اس میں بھی نبیؐ کے ساتھ توسل واستمداد کا ذکر نہیں۔ ہاں زیارت کا ذکر ہے۔ اور زیارت ایک نیک عمل ہے اگر اللہ اس کی وجہ سے گناہ بخش دے تو کوئی بعید نہیں (ہاں سفر کرنا زیارت کے لئے جائز نہیں۔ بلکہ مسجد نبویؐ کی نیت سے سفر کرنا چاہئے۔ جب مسجد نبویؐ میں نماز سے فارغ ہو جائے تو قبر کی زیارت بھی کر لے۔ جیسے ہم نے اس مسئلہ کو ایک مستقل رسالہ (زیارت قبر نبویؐ میں لکھا ہے) (صیانۃ الانسان صفحہ ۲۵۷)

چہارم: ابن ابی فدیک کہتے ہیں میں نے بعض علماء کو پایا۔ وہ کہتے تھے کہ ہمیں پہنچا ہے کی جو شخص رسول اللہ ﷺ کی قبر پر ٹھہر کر یہ آیت پڑھے **ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی الایہ** پھر ستر مرتبہ کہے **صلی اللہ** علیك **یا محمد** اس کو فرشتہ پکارتا ہے کہ اللہ تجھ پر درود بھیجے۔ نیز اس کی کوئی حاجت نہیں گرتی یعنی پوری ہو جاتی ہے۔

توسل اور استمداد سے کوئی تعلق نہیں

جواب: یہ روایت بھی بے سند ہے۔ پھر جس سے ابن ابی فدیک نے روایت کیا ہے وہ مجہول ہے پھر یہ اس مجہول کی بلاغت سے ہے (یعنی وہ کہتا ہے کہ ہمیں پہنچا ہے) اور بڑے بڑے ائمہ ثقات کی بلاغات حجت نہیں۔ تو اس مجہول کی کس طرح ہوگی نیز یہ معلوم نہیں کہ جس سے یہ روایت پہنچی ہے وہ تبع تابعی ہے۔ یا تابعی ہے یا صحابی ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ ہیں ابن ابی فدیک کا نام محمد بن اسماعیل بن ابی فدیک ہے یہ اگرچہ سچا مشہور

ہے لیکن ابن سعد کہتے ہیں۔کہ یہ اکیلا اگر کوئی روایت کرے تو حجت نہیں۔جیسے میزان الاعتدال میں ہے۔(پھر اس میں توسل واستمداد کا بھی کوئی ذکر نہیں)

(صیانۃ الانسان صفحہ ۲۵۸)

اسکے علاوہ رسول اللہ ﷺ تو فرماتے ہیں کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔یہ بیچارہ ستر دفعہ پڑھتا ہے تو فرشتہ صرف ایک دفعہ پڑھتا ہے نیز سلام درود تو جہاں سے کوئی بھیجے آپؐ کو پہنچ جاتا ہے۔(چنانچہ صفحہ ۱۶ میں گزر چکا ہے)
(صراط مستقیم صفحہ ۶۴۴)

پنجم: زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں۔دعاء کرنے والا جب کہے کہ اے اللہ میں تیرے نبی کو سفارشی بناتا ہوں اے نبی رحمت تو اپنے رب کے پاس میری سفارش کر تو اسکی دعاء قبول ہو جاتی ہے۔

جواب: یہ قول بھی بے سند ہے شاید یہ نابینے کی حدیث سے ماخوذ ہو (جس کا ذکر صفحہ ۵۴-۵۵ میں گزر چکا ہے) لیکن اس کا حال معلوم ہو چکا ہے۔(کہ وہ باوجود متکلم فیہ ہونے کے آپؐ کی حیات سے مخصوص ہے) (صیانۃ الانسان صفحہ ۲۵۸)
ششم: مواہب لدنیہ میں ہے کہ ابن جابرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے حق میں یہ شعر پڑھے

به قد اجاب الله آدم اذ دعا

وجئی من بطن السفينةنوح

وما ضرت النار الخليل لنوره

ومن اجله نال النداء ذبيح

یعنی آدم علیہ السلام کی دعاء رسول اللہ ﷺ کے طفیل قبول ہوئی۔ اور نوح علیہ السلام کا پیٹ کشتی سے نجات پانا بھی آپؐ ہی کے طفیل تھا۔ اور ابراہیم علیہ السلام کو آگ کا نقصان نہ پہنچانا بھی آپؐ ہی کے نور کی وجہ سے ہے۔ اور اسماعیل علیہ السلام کا فداء کو پہنچنا یعنی ان کے بدلے دنبہ ذبح کیا جانا یہ بھی آپؐ ہی کی طفیل ہے۔

جواب: اس ابن جابر کا پتہ نہیں کون شخص ہے۔ نہ ان دو بیتوں کی کوئی سند معلوم ہے۔

(صیانۃ الانسان صفحہ ۲۵۸)

ہفتم: بیہقیؒ نے انسؓ سے روایت کیا ہے کہ بارش کی دعاء کے لئے ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور ایک نظم پڑھی جس کے شروع کا شعر یہ ہے۔

اتیناك والعذراء یدمی لبانها وقد شغلت ام الصبی عن الفطل

یعنی ہم آپ کے پاس آئے اور کنواری کی چھاتی مشقت کی وجہ سے زخمی ہوگئی ہے۔ اس نظم میں آگے چل کر یہ شعر بھی ہے۔

ولیس لنا الا الیك فرارنا والی فرار الخلق الا الی الرسل

یعنی ہماری آپ ہی کی طرف دوڑ ہے۔ اور لوگوں کی دوڑ رسولوں کی طرف ہی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ جلدی چادر کھینچتے ہوئے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ منبر پر چڑھے اور دعاء کی یہاں تک کہ بارش ہوگئی۔

اعرابی کے اشعار کی حقیت

جواب: اس میں ایک راوی ہے جس کا نام مسلم بن کیسان ابوعبداللہ ضبی کوفی ملائی ہے وہ سخت ضعیف ہے۔ بلکہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ اس نے (مناقب علیؓ میں) انسؓ سے یہ روایت کی ہے کہ ام ایمن نے رسول اللہ ﷺ کو پرندہ بھنا

ہوا تحفہ دیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اے اللہ! جو تیری مخلوق میں تجھ کو زیادہ پیارا ہے اس کو لا۔ اور یہ روایت موضوع ہے۔ چنانچہ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اور شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ نے تحفہ میں اور علامہ کابلی نے صواقع موبقہ میں اور ابن الجوزی نے علل متناھیۃ میں موضوع کہا ہے۔ اور امام عبدالوہاب شعرانی الیواقیت والجواہر میں فرماتے ہیں۔ کہ ابن الجوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ اور ذہبیؒ نے اس میں ایک جز لکھی ہے اور کہا ہے اسکے تمام طرق باطل ہیں۔ اور امام شوکانیؒ فوائد مجموعہ میں فرماتے ہیں۔ کہ (صاحب قاموس نے) مختصر مغنی میں کہا ہے۔ اس کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ اور ابن الجوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔

(اسی طرح صاحب مجمع البحار تذکرۃ الموضوعات میں لکھتے ہیں)

اس کے علاوہ بیہقیؒ کی روایت سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ زندے کا وسیلہ ہے جس کی صورت یہ ہے کہ آپ سے دعاء منگوائی جائے۔ چنانچہ آپؐ نے دعاء مانگی (اور اعرابی کا حصر کے ساتھ یہ کہنا کہ ''لوگوں کی دوڑ رسولوں کی طرف ہی ہوتی ہے'' یہ بھی اس کا موئد ہے۔ کیونکہ رسولوں کی وفات کے بعد بھی اگر رسولوں کا وسیلہ ہوتا تو حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ کا اور حضرت معاویہؓ حضرت یزید بن اسودؓ کا نہ پکڑتے (صیانۃ الانسان صفحہ ۲۵۹ و ۲۶۰ چنانچہ صفحہ ۴۱-۴۲ میں گزر چکا ہے)

ہشتم: ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اللہ نے وحی کی کہ محمدؐ پر ایمان لا اور اپنی امت کو بھی ایمان کا حکم دے۔ اگر محمد نہ ہوتا تو میں جنت بھی پیدا نہ کرتا۔ اور میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا۔ تو وہ ہلا۔ پس میں نے اس پر **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا۔ تو ٹھہر گیا۔

اسرائیلیات حجت نہیں

جواب: ابن حجر مکی نے جوہر منظم میں اسکو بلاسند ذکر کیا ہے اور زرقانی نے شرح مواہب میں کہا ہے کہ بیہقی وغیرہ نے اس کو ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ اور حاکم نے اسکو روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔

حاکمؒ کے صحیح کہنے کا اعتبار نہیں۔ حاکم نے تو حدیث طیر کو بھی صحیح کہا ہے۔ جوابھی گزری ہے حالانکہ وہ موضوع ہے۔ نیز اس میں توسل واستمداد کا نام ونشان نہیں۔ جس میں بحث ہے یعنی رسول اللہ ﷺ وغیرہ سے وفات کے بعد سوال ہو۔ یا بحق رسول اللہ وغیرہ کے سوال ہو اس کا اس میں نام ونشان نہیں۔ (صیانۃ الانسان صفحہ ۲۶۵ لغایت ۲۶۶)

(اسکے علاوہ یہ اسرائیلیات کی قسم ہے اور اسرئیلیات کسی کے نزدیک حجت نہیں خواہ صحابی تک ان کی اسناد صحیح ہی ہو۔ **الا ان لا یاخذ عن الاسرئیلیات فتامل فیه**)

نہم: قسطلانی شرح بخاری میں کعب احبار سے نقل کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل اپنے نبی کے اہل بیت کیساتھ استسقاء یعنی طلب بارش کرتے تھے۔

جواب: اول تو یہ بات بلاسند ہے۔

دوم کسی کے ساتھ استسقاء کرنے کا وہی طریقہ ہے جو مفصل احادیث میں گذر چکا ہے یعنی حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کے ساتھ اور معاویہؓ کا یزید بن اسودؓ کے ساتھ (صیانۃ الانسان صفحہ ۲۶۶)

سوم اسرائیلیات بالاتفاق حجت نہیں۔ (قاعدہ جلیلہ فی التوسل الوسیلہ صفحہ ۱۷)

دہم: طبرانی کبیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سواد بن قارب نے ایک نظم پڑھی جس سے چار بیت یہ ہیں۔

واشهـــد ان الـلـــه لا رب غيـــره
وانك مـــامـــون عـلـى كـل غـــائـب

وانك ادنـــى الـــمـرسـلـيـن وسيلة
الـى الـلـه يـا ابن الاكرمين الا طائب

فـمـرنـا بـهـا يـا تيك يـا خير مـرسل
وان كـــان فـيـمــا فـيـه شيب الذوائب

وكـن لـي شـفـيـعـا يوم لا ذو شفاعة
بـمـغـن فتيـلا عـن سـواد بـن قـارب

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں اور تو ہر امر غائب میں امین جانا گیا ہے اور تو تمام رسولوں سے اللہ کیطرف قرب اور مرتبہ میں زیادہ نزدیک ہے۔اے بیٹے عزت والوں پاکوں کے۔پس اے بہتر رسولوں کے، جو کچھ آپ کے پاس آتا ہے۔اس کے ساتھ ہمیں حکم دیں۔خواہ اس میں ایسے مصائب ہوں۔کہ بال سفید ہوجائیں۔اور جس روز کوئی شفاعت کرنے والا گٹھلی کھجور کے تاگے برابر سواد بن قارب سے کفایت نہ کرسکے اس دن آپ میرے سفارشی بنیں۔

یہ حدیث مضطرب ہے

جواب: مجمع الزواید میں اس کی دو سندیں ذکر کر کے کہا ہے دونوں ضعیف ہیں نیز اس قصے کے الفاظ مجمع الزواید میں دونوں سندوں کے آپس میں مخالف ذکر کئے ہیں پس حدیث میں اضطراب بھی ہوا اور جس حدیث میں اضطراب ہو وہ بھی ضعیف ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ قیامت کے دن آپؐ کے شفیع ہونے سے کسی کو انکار نہیں۔جیسے

چوتھے بیت کا مضمون ہے۔اور دوسرے بیت میں جو وسیلہ کا لفظ ہے اس کے معنی قرب اورمرتبہ کے ہیں جیسے آیہ کریمہ **یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و ابتغوا الیہ الوسیلة** میں ہے اور جیسے آیۃ کریمہ **اولئك الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلة** میں ہے صفحہ ۴۶ میں اسکی تفصیل گزر چکی ہے اور اگر آپ کا ہمارے لئے وسیلہ ہونا مراد ہو تو آپ بیشک اپنی حیات میں وسیلہ تھے جیسے حضرت عمرؓ نے بارش کی دعاء میں کہا کہ اے اللہ! پہلے ہم تیرے نبی کا وسیلہ پکڑتے تھے اب عباسؓ کا پکڑتے ہیں۔اور قیامت کو آپؐ کا شفیع ہونا یہ بھی وسیلہ ہونا ہے۔بلکہ آپؐ کی اتباع کر کے ہم اللہ کے مقرب ہو جاتے ہیں۔اس لحاظ سے آپؐ اب بھی ہمارے لئے وسیلہ ہیں۔اسطرح کا وسیلہ کہ قبر پر یہاں سے انکو پکاریں کہ ہمارے لئے دعا کرو۔یا ہماری فلاں حاجت پوری کرو۔یا بحق رسول اللہؐ وغیرہ کہہ کر دعاء کریں تو اس کا کوئی ثبوت نہیں۔(صیانۃ الانسان صفحہ ۲۶۷ الغایت ۲۷۰)

یازدہم: طبرانی میں ہے کہ صفیہؓ آپؐ کی پھوپھی نے آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کا مرثیہ کہا جس کا ایک بیت یہ بھی ہے۔

لهف نفسی وبت کالمسلوب ارقب اللیل لعلة المحروب

یعنی اے مصیبت نفس کی! میں نے اس شخص کی طرح رات گزاری جس کا مال اسباب لوٹا گیا ہے رات کو نگرانی میں رہی جیسے لڑائی کیا گیا رہتا ہے۔

ایک مرثیہ اور کہا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

الا یا رسول اللہ کنت رجائنا وکنت بنا برا ولم تك جافیا

یعنی اے رسول اللہ! آپ ہماری امید تھے۔اور ہمارے ساتھ نیکی کرنے والے تھے۔اور سخت نہ تھے آپؐ کی وفات کے بعد خطاب اور نداء ثابت ہوئی اور آپؐ کو امید کہنا اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ وسیلہ ہیں۔

جواب: بے شک آپؐ امید اور وسیلہ تھے۔مگر اسی طرح کہ جس طرح صحابہؓ نے سمجھا ہے جس کی مثال حضرت عمرؓ اور حضرت معاویہؓ کا بارش کی دعاء کا واقعہ ہے۔قرآن مجید میں صالح علیہ السلام کی بابت انکی قوم کا قول نقل ہے **قد كنت فينا مر جوا قبل هذا** یعنی تو نبوت کا دعوی کرنے سے پہلے ہم میں امید کیا گیا تھا تفسیروں میں لکھا ہے کہ ہمیں تجھ پر امید تھی کہ تو ہمارا سردار ہوگا۔کاربار میں تجھ سے مشورہ لیں گے۔اور تیری رائے سے فائدہ اٹھائیں گے کیونکہ ہمیں تجھ میں اچھے آثار نظر آتے تھے۔

سو اسی طرح کے رسول اللہ ﷺ اپنی حیات میں تھے اور صفیہؓ کا یہ کہنا کہ آپ ہماری امید تھے یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اب نہیں کیونکہ ''کلمہ'' تھے ماضی (گزشتہ) کے لئے آتا ہے۔ہاں جو بات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے اس میں اب بھی ہیں جیسے آپ ﷺ کی اتباع اور محبت کے ذریعہ سے ہم اللہ کے مقرب بن سکتے ہیں یہ بات اب بھی ہے۔اسی طرح اگر کوئی اور بات ثابت ہوجائے اس سے ہمیں انکار نہیں لیکن بے ثبوت کے ہم خریدار نہیں۔

رہا خطاب اور نداء کا مسئلہ سو اس کا جواب یہ ہے کہ خطاب اور نداء کئی طرح کی ہوتی ہے کبھی دوسروں کو سمجھانا مقصود ہوتا ہے (کبھی توحید کا اقرار مقصود ہوتا ہے) کبھی دردِ دل کا اظہار، کبھی کچھ اور۔ان صورتوں میں یہ شرط نہیں کہ مخاطب سنے یا سنانے کا اہل ہو کیونکہ مقصود اصلی کچھ اور ہوتا ہے۔(چنانچہ اس کی تفصیل صفحہ ۱۳۱ میں ہو چکی ہے۔

اسی نظم میں صفیہؓ فرماتی ہیں ''اے مصیبت نفس کی'' بتلایئے! مصیبت کو وہ خطاب اور نداء کر رہی ہیں۔تو کیا انکا مقصود مصیبت کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہے یا اس سے کوئی حاجت طلب کرنا ہے۔یا کم سے کم اسکو حاضر ناظر سمجھنا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ محض توجع اور تفجع (دکھ اور بیقراری) کے وقت اس قسم کے کلمات زبان سے نکلتے ہیں۔اور عموماً مرثیوں میں

ایسا ہوتا ہے پس اسکوتوسل واستمداد کے مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں۔(صیانۃ الانسان صفحہ ۲۶۹ لغایت ۲۷۸)

دوازدہم: ابن حجر مکی نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں امام شافعیؒ کے یہ دو بیت نقل کئے ہیں۔

ال النبی ذریعتی وھم الیہ وسیلتی
ارجوبھم اعطی غدا بیدی الیمین صحیفتی

یعنی آل رسول ﷺ میرا ذریعہ اور رسول ﷺ کی طرف میرا وسیلہ ہے میں امید کرتا ہوں کہ کل قیامت کے دن ان کے ذریعہ سے اپنا عملنامہ دائیں ہاتھ میں دیا جاؤں گا

جواب: اول تو یہ بے سند ہے دوم یہ کہ نفس وسیلہ سے کسی کو انکار نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس طرح کا وسیلہ ہے۔ سو جس طرح قرآن وحدیث میں آ گیا۔ اس طرح کا مراد ہوگا۔ مثلا رسول اللہ ﷺ وسیلہ ہیں مگر اسی طرح کا جس طرح قرآن وحدیث میں وارد ہوا۔ چنانچہ کئی دفعہ تفصیل ہو چکی ہے۔ اب آل رسول ﷺ کی بابت دیکھنا چاہئے کہ انکو وسیلہ بنانا قرآن وحدیث میں کس طرح آیا ہے۔ سو قرآن وحدیث میں جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان سے محبت رکھے اور جو مواقع انکے آگے کرنے ہیں انکو آگے کرے۔
(صیانۃ الانسان صفحہ ۲۷۸)

پھر ان دو بیتوں میں سوائے نداء کے اور کچھ نہیں اور چونکہ اہل بیت رسول ﷺ دنیا میں بہتیرے موجود ہیں خاص کر اس وقت مکہ مدینہ میں بہتیرے تھے تو یہ نداء فوت شدہ کو بھی نہ ہوئی۔ کتے کو جب ڈلا ماریں تو وہ اسکو ہڈی سمجھ کر اسکی طرف اچھلتا ہے۔ یہ لوگ بھی غیر اللہ کی طرف ایسے جھکے ہوئے ہیں۔ کہ لفظ پر ہی فریفتہ ہو جاتے ہیں خواہ مطلب کچھ اور ہو اللہ انکو سمجھ دے آمین۔

سیز دہم: کتاب الاذکار نووی میں ہے کہ نبی ﷺ نے امر فرمایا کہ دو رکعت فجر (یعنی سنت فجر) کے بعد انسان تین دفعہ یہ دعا پڑھے۔

اللھم رب جبرائیل ومیکائیل واسرافیل ومحمدالنبی ﷺ اعوذ بك من النار .

یعنی ''اے رب جبرائیل ومیکائیل واسرافیل ومحمد ﷺ کے میں تیرے ساتھ آگ سے پناہ پکڑتا ہوں''

جواب: کتاب الاذکار میں یہ نہیں کہ آپ ﷺ نے امر فرمایا نہ اجرنی من النار ہے بلکہ یوں ہے اسامہ بن عمیرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت فجر (یعنی سنت فجر) ہلکی سی پڑھیں پھر میں نے آپ ﷺ کو سنا کہ آپ ﷺ بیٹھے یہ دعاء پڑھ رہے ہیں

اللھم رب جبرائیل ومیکائیل واسرافیل ومحمد ﷺ اجرنی من النار .

یعنی ''اے رب جبرائیل ومیکائیل واسرافیل ومحمد ﷺ کے مجھے آگ سے پناہ دے'' ان چار کا نام اسی لئے لیا ہے کہ ان کا وسیلہ پکڑا ہے۔

اس حدیث کو اگرچہ [1] حاکمؒ نے صحیح کہا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے حسن مگر اس میں ایک راوی ابوالملیح ہے۔ نوویؒ کہتے ہیں اسکا نام عامر بن اسامہ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ بھی یہی کہتے ہیں نیز کہتے ہیں کہ یہ رجال صحیح سے ہے۔ اور اس میں ایک راوی عباد بن سعید ہے جو مبشر سے روایت کرتا ہے حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں مجھے جرح تعدیل معلوم نہیں۔ ہاں

حاشیہ نمبر ۱۔ حاکم کی روایت میں بیٹھے کا ذکر نہیں ۱۲

ابن حبانؒ نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے مگر تمیز نہیں دی کہ یہ وہی ہے جو مبشر سے روایت کرتا ہے۔ یا اور ہے۔ حاکمؒ نے اس حدیث کو ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں اس حدیث کے لئے ایک اور روایت شاہد ہے۔ جو حضرت عائشہ سے باسناد ضعیف مروی ہے اس میں بعض راوی متروک ہیں۔ اور بعض راوی متکلم فیہ ہیں۔ نیز حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے۔ ابوالملیح سے مراد اگر وہی عامر بن اسامہ مذکور ہو تو اس پر اسکی اسناد میں اختلاف ہے۔ اور اگر کوئی دوسرا ہو تو مجہول ہے۔

اس روایت پر کلام کے وجوہ

ابن علان نے شرح اذکار میں حافظ ابن حجرؒ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اب یہاں کئی وجوہ سے کلام ہے۔

اول: یہ کہ حافظ ابن حجرؒ کے کہنے کے مطابق اگر ابوالملیح سے مراد وہی عامر بن اسامہ ہے۔ تو اس پر اختلاف ہے۔ پس یہ حدیث مضطرب ہوئی۔ اور مضطرب حدیث ضعیف ہوتی ہے اور اگر کوئی اور مراد ہو تو اس کی تعین کرنی چاہئے۔

دوم: یہ کہ مجمع الزوائد میں کہا ہے۔ اس میں عباد بن سعید ہے۔ جس کے متعلق ذہبیؒ کہتے ہیں عباد بن سعید کی روایت مبشر سے لاشیء ہے۔ لیکن ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ابن حبان نے اسکو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ابھی گزرا ہے۔ مگر ابن حبان چونکہ متساہل ہے اس لئے ابن حبان کا اسکو ثقات میں ذکر کرنا ذہبی کے قول کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سوم: یہ کہ مبشر کی بابت بھی اگرچہ حافظ ابن حجرؒ بھی کہتے ہیں کہ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر ہے مگر پتہ نہیں کہ مبشر سے کونسا مبشر مراد ہے۔ اگر مبشر بن عبید حمصی ہو تو

خود حافظ ابن حجرؒ تقریب میں اس کی بابت لکھتے ہیں کہ متروک ہے۔امام احمدؒ نے اس کو جھوٹی حدیثیں بنانے کی طرف نسبت کیا ہے اسی طرح ذہبی نے میزان میں کہا ہے اگر کوئی اور مبشر ہو تو اس کی تعیین کرنی چاہیئے۔اور صرف ابن حبان کے ثقات میں ذکر کرنے سے اطمینان نہیں ہوتا کیونکہ وہ متساہل ہے۔

اور وہ شاہد جس کی طرف حافظ ابن حجرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اسکو ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔اس کی اسناد میں عبیداللہ بن ابی حمید ہے۔اور وہ متروک ہے۔اسی طرح مجمع الزوائد میں ہے۔اور مجمع الزوائد میں یہ بھی کہا ہے۔کہ یہ حدیث حضرت عائشہ سے دوسری اسناد کے ساتھ مروی ہے نسائیؒ نے اسکو روایت کیا ہے لیکن اس میں رکعت فجر کا ذکر نہیں اور ابو یعلی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔اس کی اسناد میں سفیان بن وکیع ہے جو ضعیف ہے اور میزان الاعتدال میں بھی بہت سے اس کا ضعیف ہونا نقل کیا ہے۔اور یہ بھی کہا ہے کہ ترمذیؒ نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے۔اور نسائی کی روایت جس کا ذکر صاحب مجمع الزواید نے کیا ہے اس میں من النار کی جگہ من حر النار و عذاب القبر ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔مگر حسرہ بنت دجاجہ کے بارہ میں میزان الاعتدال میں بھی مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔اور کاشف میں ذہبیؒ کہتے ہیں۔ثقہ ہے پس راجح اس کا ثقہ ہونا ہے۔مگر نسائی کی سند میں سفیان بن سعید ثوری ہے جو مدلس ہے اور عن کے ساتھ روایت کرتا ہے پس اس حدیث کے تمام طرق مقال سے خالی نہیں۔پس بہتر ہے کہ اس کی بجائے مسلم کی حدیث سے استدلال کیا جائے۔جس میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ تہجد کو اٹھتے تو کہتے **اللھم رب جبرائیل و میکائیل و اسرافیل** اور بخاری کے سوا باقی صحاح ستہ والوں نے بھی روایت کی ہے۔اور یہ حدیث صحیح ہے پس ہم اس قسم کی دعاء کے قائل ہیں۔ ابن علان شرح اذکار میں لکھتے ہیں۔کہ اللہ ان تمام اشیاء کا رب ہے جبرئیل وغیرہ کو اس

لئے خاص کیا ہے۔ کہ قرآن وحدیث میں رب کی نسبت بڑی بڑی اشیاء کی طرف ہوتی ہے جیسے رب آسمان وزمین کا۔ یا رب عرش کریم کا۔ یا فرشتوں کا یا مشرقین مغربین کا وغیرہ وغیرہ اور **رب الشیاطین وما اضللن** بھی حدیث میں آیا ہے کیونکہ شیاطین فتنہ کے لحاظ سے بڑے ہیں۔ تو گویا انکی طرف خدا کے رب ہونے کی نسبت سے مطلب یہ ہوگا کہ شرارت میں خواہ کتنے بڑے ہوں مگر ہیں خدا کی ربوبیت کے تحت، اس سے باہر نہیں ہو سکتے۔

غرض بڑی بڑی اشیاء کی طرف نسبت ہوتی ہے۔ خواہ شئے کسی حقیقت سے بڑی ہو اور چھوٹی چھوٹی اشیاء کی طرف نسبت کر کے یوں نہیں کہا جاتا کہ حشرات الارض کا رب، اور بندروں، خنزیروں کا خالق اور مثل اس کے یوں کہا جاتا ہے، خالق المخلوقات۔ اور قرطبیؒ کہتے ہیں ان کو انکی زیادت بزرگی کی وجہ سے خاص کیا۔ کیونکہ سلسلہ کائنات کا انتظام ان کے ساتھ ہے۔ کیونکہ جبرئیلؑ وحی لانے پر مقرر ہیں۔ میکائیل بارش پر اور اسرافیل صور پھونکنے پر۔

اور جزریؒ مفتاح الحصن میں لکھتے ہیں۔ کہ انکو زیادت بزرگی کی وجہ سے خاص کیا اور کبھی کہا جاتا ہے یہ تینوں حیات کا سبب ہیں۔ جبرئیل وحی لاتے ہیں۔ وہ حیات قلوب کا سبب ہیں اور میکائیل بارش پر ہیں جو بدن کی حیات کا ذریعہ ہے اور اسرافیل حیات عالم کا ذریعہ ہیں۔ جو قیامت کو ہوگی۔ پس اس دعاء میں خدا کی ان ارواح کیلئے ربوبیت کے ساتھ توسل ہے۔ (یعنی اللہ کا ان کے لئے رب ہونا) اور ربوبیت اللہ کی صفت ہے۔ اور اللہ کی صفات کے ساتھ توسل بالاتفاق جائز ہے۔ (صیانۃ الانسان صفحہ ۲۷۹ الغایت صفحہ ۲۸۹)

چہار دہم: شرح حزب البحر امام رزوق میں بہت سے بزرگوں کے نام ذکر کر کے کہا ہے۔

اللھم انا نتوسل الیك بھم فانھم احبوك .

یعنی اللہ ہم ان بزرگوں کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتے ہیں ۔کیونکہ انہوں نے تجھ سے محبت کی۔

جواب: نبی ﷺ کے سواکسی ایسے ویسے کا قول حجت نہیں ۔ایسے استدلالوں سے فائدہ کیا اسی طرح کے ایک اورواقعہ سے بھی استدلال کیا کرتے ہیں۔جس کوسید طاہر بن محمد بن ہاشم نے مجمع الاحباب میں ترمذی کے حالات میں لکھا ہے۔کہ انکوخواب آئی تووہ اس پرعمل کرتے رہےاورترغیب دیتے رہے۔حالانکہ اول تو یہ واقعہ بالکل بے سند ہے دوم نبی ﷺ کے سواکسی کاخواب شرع میں حجت ہی نہیں ۔ (صیانۃ الانسان صفحہ ۲۷۹و۲۹۰)

پانزدہم: محمد بن حسن بن زبالہ اپنی کتاب اخبار مدینہ میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص محمد بن کیسان کاواقعہ لکھتے ہیں۔کہ عبدالعزیز بن محمد دراوردی کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کواہل مدینہ سے دیکھا۔جسکومحمد بن کیسان کہا جاتا وہ جمعہ کے دن جب عصر کی نماز پڑھتا اور ہم عبدالرحمان بن ربیعہ کے پاس بیٹھے ہوتے توقبرنبوی ﷺ پرآتا۔اور درود پڑھتا اوردعا کرتا یہاں تک کہ شام کرتاربیعہ کے ساتھ کہتے دیکھواس شخص کی طرف کیا کرتا ہے ربیعہ کہتے چھوڑ دوانسان کے لئے وہی ہے جواس نے نیت کی۔

جواب : محمد بن حسن زبالہ اہلحدیث کے نزدیک ضعیف ہے ۔جیسے واقدی ضعیف ہے ہاں اس کی روایت قدرے تائید کا کام دے سکتی ہے۔(لیکن اس میں توسل واستمداد کا تو نام ونشان نہیں)اوراس سے دعاء کے لئے گھر سے قصد کرکے آنا بھی ثابت نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ عصر کی نماز مسجد میں پڑھتا اور بعد میں قبرنبوی ﷺ پرآتا۔تو ظاہر ہے کہ نماز کی نیت پرآتا تھا۔اوریہی وجہ ہے کہ ربیعہ نے کہا کہ آدمی کے لئے وہی ہے۔جو اس نے نیت کی۔یعنی ظاہر ہے کہ اس کی نیت گھر سے دعاء کی نہیں تو تم نہ روکو۔اس کے

علاوہ یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ دعاء اپنے لئے کرتا کہ نبی ﷺ کے لئے کرتا بہرصورت اس روایت سے کچھ ثابت نہیں ہوا۔

پھر اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اس وقت دستور نہیں تھا کہ لوگ اس طرح کریں۔ تبھی ربیعہ کے ساتھیوں نے اس بات پر انکار کرتے ہوئے کہا کہ دیکھو یہ کیا کر رہا ہے۔ پس بہتر یہی ہے کہ اسطرح بھی نہ کرے۔ جس طرح اس شخص محمد بن کیسان نے کیا اگر چہ یہ بات کوئی زیادہ تر قابل انکار نہ تھی تبھی ربیعہ نے کہا چھوڑ دو۔ مگر اصل وہی ہے جو کتاب وسنت میں ہے۔ اور جو اس وقت کو دستور و رواج ہو۔

(صراط مستقیم صفحہ ۶۴۶ لغایت صفحہ ۶۴۵)

شانزدہم: قحط سالی کا سال جو رمادہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں بلال بن حارثؓ نے بکری ذبح کی اور وہ دبلی نکلی تو کہا **وا محمداہ وا محمد اہ** ۔

حرف واؤ ندا نہیں ندبہ ہے

جواب: یہ واقعہ بالکل بے سند ہے۔ دوسرے وامحمداہ نداء نہیں بلکہ ندبہ ہے کیونکہ وا کے ساتھ ندا نہیں ہوتی۔ جیسے نحو میں لکھا ہے بلکہ یہ کلمہ درد ہے جیسے یالہف نفسی کی بابت ہم صفحہ ۹۵ میں لکھ چکے ہیں۔ اور اسی طرح حضرت فاطمہؓ کا آپ ﷺ کی وفات کے وقت واکرب اباہ کہنا اور وفات کے بعد یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ (آہ میرا باپ جس نے سب کی دعوت قبول کی یعنی مرنا بخوشی قبول کیا) کہنا کیونکہ کلمہ یا بھی ایسے موقع پر ندبہ کیلئے آتا ہے جیسے کتب نحو میں لکھا ہے۔ نیز صدمہ اور دکھ کے وقت یا جوش غصہ میں انسان کے منہ سے کوئی کلمہ نکل جائے۔ تو اس سے استدلال صحیح نہیں۔ دیکھئے! بخاری میں ہے کہ فاطمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے دفن کے بعد حضرت انسؓ کو کہا کہ تمہارے جی کس طرح خوش

ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ پر مٹی ڈالو۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ فاطمہؓ نے ان کے فعل پر ملامت کی کہ یہ نہیں چاہئے تھا۔ حالانکہ دفن کرنا ضروری تھا۔ نیز بخاری میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو زمین میں فدک وغیرہ کے جھگڑے میں ظالم کہا۔ جس کا جھگڑا حضرت عمرؓ کے پاس لائے تھے بلکہ حدیث میں آیا ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ یا اللہ میں بھی بشر ہوں کہ میری مختلف حالتیں ہوتی ہیں اگر میری زبان سے کسی کے حق میں کوئی ایسا ویسا کلمہ نکل جائے۔ تو اس کو رحمت کر دے ملاحظہ ہو ابوداؤد وغیرہ۔

(صیانۃ الانسان صفحہ ۳۶۹)

ہفدہم: مسیلمہ کذاب کی لڑائی میں صحابہ وامحمداہ پکارا کرتے تھے۔

جواب: اس کے بھی وہی دو جواب ہیں جو ابھی گزرے ہیں۔

ہژدہم: شفاء قاضی عیاض میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کا پاؤں سو گیا تو کسی نے کہا جو زیادہ پیارا ہو اس کا ذکر کرو۔ تو فرمایا محمداہ۔ اسی وقت پاؤں ٹھیک ہو گیا۔ اور کتاب الاذکار اور حصن حصین میں بھی یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔

جواب: اس کی صحت معلوم نہیں۔ دوم نواب قطب الدین صاحب شرح حصن حصین میں ملا علی قاری کی شرح کے حوالہ سے بغیر یا کے ذکر محمدؐ لکھتے ہیں۔ یعنی صرف محمد ﷺ کہے پس سرے سے نداء ہی نہ ہوئی۔ (صیانۃ الانسان صفحہ ۳۷۰)

اس کے علاوہ چونکہ اس میں جواب نداء نہیں تو یہ نداء حقیقی نہیں بلکہ ایسا ہی ہے جیسے بغیر یا کے محمدؐ کہنا یعنی بے معنی کلام ہے۔ رہا سوئی جگہ کا بیدار ہو جانا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ محبوب شئے کے ذکر سے طبیعت میں ایک خوشی سی آ جاتی ہے۔ جس سے حرارت عزیزی میں ایک حرکت پیدا ہو کر سوئی جگہ بیدار ہو جاتی ہے۔ اور یہ کوئی بزرگوں کے نام

کے ساتھ خاص نہیں ۔ بلکہ جو شئے انسان کو زیادہ محبوب ہو اچھی ہو یا بری ۔اس سے یہی حالت ہوتی ہے۔جیسے اس جگہ کو پکڑ کر ذرا ساد بادے تو اس سے وہ جگہ بیدار ہو جاتی ہے پس ایسی باتوں کو محل استدلال میں ذکر کرنا فضول ہے۔

عمود شکری بن سید عبدالدین محمود الوسی بغدادی اپنی کتاب فتح المنان تتمہ منہاج التاسیس رد صلح الاخوان لداود بن جرجیس شفاء قاضی عیاض سے یہ واقعہ نقل کر کے لکھتے ہیں۔

وهذا يقتضى صحة ماجربه الناس فان من اصابه الحذر منهم اذا ذكر محبوبه زال بسهولة لانه بمسرة تنتفش الحرارة العزيزية فيند فع الحذروقد روى انه وقع مثله لابن عباس رضى الله تعالى عنهما وفيه يقول ابو العتاهية . وتحذر فى بعض الاحانين رجله فان لم يقل يا عتب لم تذهب الحذر وهذا مما تعهده اهل المدينة كما ذكره الشهاب الخفا جى فى شرح هذا الاثر واقول ان هذا كان من نداهب العرب فى الجاهلية فكان الرجل منهم اذا حذرت رجله ذكرمن يحب اودعاه فيذهب حذرها

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بات کا لوگوں نے تجربہ کیا ہے وہ صحیح ہے کیونکہ لوگوں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ جس کا کوئی عضو سو جاتا ہے جب وہ اپنے محبوب کو یاد کرتا ہے تو آسانی سے آرام ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خوشی کی وجہ سے حرارت غزیزیہ میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے جس سے آرام آجاتا ہے۔اور ابن عباسؓ کا بھی اسی طرح کا ایک واقعہ ہے اور اس کے بارے میں ابو العتاھیۃ شاعر کہتا ہے۔ کہ بعض وقت اسکا پاؤں سو جاتا ہے تو یا عتبہ نہ کہے تو آرام نہیں ہوتا۔اور یہ مدینہ والوں کے ہاں معمول ہے۔جیسا اس واقعہ کی شرح میں شہاب خفاجی نے ذکر کیا ہے اور میں کہتا ہوں کہ جاہلیت عرب کا بھی یہی دستور تھا۔ کہ جب کسی کا پاؤں سو جاتا ہے تو اپنے محبوب کو یاد کرتا۔یا اس کو پکارتا تو آرام آجاتا۔ایک شاعر

اپنے محبوب کو کہتا ہے۔

علی ان رجلی لا یزال مذلاھا

مقیما بھا حتی اجیلك فی فکری

جب میرا پاؤں سو جاتا ہے تو اسی طرح رہتا ہے یہاں تک کہ میں تیرا خیال کروں۔

وقال کثیر

اذا مذلت رجلی ذکرتك اشتفی

بدعواك من مذل بھا فیھون

اور کثیر شاعر اپنے محبوب کو کہتا ہے۔ جب میرا پاؤں سو جاتا ہے۔تو تجھے یاد کرتا ہوں تیرے پکارنے سے اس سے شفاء پاتا ہوں پس آسانی ہو جاتی ہے۔

وقال جمیل

وانت لعینی قرۃ حین نلتقی

وذکرك یشفینی اذا حذرت رجلی

جمیل شاعر اپنے محبوب کو کہتا ہے۔''تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے جب ہم ملتے ہیں اور تیری یاد میرے پاؤں کو شفاء دیتی ہے جب سو جائے۔''

وقال امراۃ

اذا حذرت رجلی دعوت ابن مصعب

فان قلت عبداللہ اجلی فتورھا

ایک عورت شاعرہ کہتی ہے''جب میرا پاؤں سو جاتا ہے تو میں ابن مصعب کو پکارتی ہوں پس اگر عبداللہ کہوں تو پاؤں کی سستی دور ہو جاتی ہے۔''

وقال اخر

صب محب اذا مارجله خدرت

نادی کبیشة حتی یذهب الخدر

ایک اور شاعر کہتا ہے ''میں ایسا عاشق اور محبّ ہوں کہ جب پاؤں سو جاتا ہے تو کبیشہ کو پکارنے سے آرام ہو جاتا ہے

وقال المصلی

والله ما خدرت رجلی وما عثرت

الا ذکر تك حتی یذهب الخدر

موصلی شاعر اپنے محبوب کو کہتا ہے ''قسم ہے اللہ کی میرا پاؤں کبھی سویا نہیں۔ نہ ٹھوکر لگی ہے مگر (اے محبوب) میں تجھے یاد کرتا ہوں یہاں تک کہ آرام ہو جاتا ہے۔''

وقال الولید بن یزید

اثیبی هائما کلفا معنی

اذا خدرت له رجل دعاك

ولید بن یزید شاعر اپنی محبوبہ کو کہتا ہے ''کہ بدلہ دے حیران عاشق مشقت میں پڑے ہوئے کو۔ کہ جب اس کا پاؤں سو جاتا ہے۔ تو تجھے پکارتا ہے۔''

افیقال ان هؤلاء الشعراء لما خدرت ارجلهم استغاثوا بمن یحبونه من امراة او غلام لا اری من یقول بذلك الا من خدر عقله وترکب جهله(فتح المنان تتمه منهاج التاسیس صفحه ۳۵)

کیا یہ شاعر لوگ جب ان کے پاؤں سو جاتے تھے تو محبوبوں، عورتوں بچوں سے استمداد واستغاثہ کرتے تھے اس بات کا وہی قائل ہو سکتا ہے جس کی عقل سو گئی ہو یا جاہل مرکب ہو۔

نوزدہم: معروف کرخیؒ نے شاگردوں کو وصیت کی کہ جب تمہیں حاجت ہو تو میری قسم دے کر اللہ سے سوال کرو کیونکہ میں تمہارے اور اللہ کے درمیان واسطہ ہوں

جواب: علامہ سید نعمان خیر الدین مشہور ابن ابی موسی بغدادی جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین میں لکھتے ہیں۔ اس کی کوئی سند ہی نہیں۔ جس پر اعتماد ہو۔

(صیانۃ الانسان صفحہ ۷۸)

بستم: ابن جوزی الوفا لفضائل المصطفے میں دارمی تک اپنی اسناد کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ابوبکر مقرئی کہتے ہیں کہ میں اور ابو الشیخ حرم رسول اللہ میں تھے ہمیں سخت بھوک لگی میں نے عشاء کے وقت قبر نبوی ﷺ پر جا کر کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ بھوک بھوک میں سو گیا اور ابو الشیخ اور طبرانی بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ کہ ایک شخص علوی نے دروازہ کھٹکھٹایا اس کے ساتھ دو غلام تھے ہر ایک نے ایک ایک زنبیل جن میں بہت سی اشیاء تھیں اٹھائی ہوئی تھی ان میں جتنی ہم کھا سکے کھائیں۔ باقی اس نے ہمارے پاس چھوڑ دیں۔ پھر اس شخص علوی نے کہا۔ تم نے رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت کی تھی؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نیند میں دیکھا ہے۔ کہ تمہاری طرف کسی شئے کے لیجانے کا ارشاد فرماتے ہیں۔

جواب: اس حکایت کو اگرچہ سمہودی، سبکی اور قسطلانی نے بھی ذکر کیا ہے۔ مگر ابن جوزی سے دارمی تک اسناد کا حال تو سرے سے معلوم نہیں۔ اور دارمی سے اوپر پانچ کا حال معلوم نہیں معمر بن عبد الواحد اصفہانی عمر بن عبد اللہ۔ محمد بن عبد الواحد۔ ابوبکر محمد بن خطاب۔ عبد اللہ بن صالح ان ناموں کے کئی راوی ضعیف ہیں۔ کئی جھوٹی حدیثیں بنانے والے ہیں۔ ملاحظہ ہو میزان الاعتدال تہذیب التہذیب وغیرہ۔

اور ابوبکر مقرئی جو اپنا واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ وہ ابوبکر بن عیاش مقرئی ہیں۔ یہ

بھی کوئی بڑے معتبر شخص نہیں۔اخیر عمر میں انکا حافظہ بھی خراب ہو گیا تھا۔ بھلا بتلایئے ایسی حکایتوں کا شرع میں کیا وزن ہوسکتا ہے۔جن کی نہ اسناد کا حال معلوم نہ واقعہ بیان کرنے والا کوئی ایسا شخص ہو جس کی بات کسی قابل ہو۔

اس کے علاوہ ہم کئی دفعہ بیان کر چکے ہیں۔کہ کسی بات کا ہو جانا یہ اس کے جواز کی دلیل نہیں۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۴۷

فتح المنان تتمہ منهاج التاسيس لمحمود شكرى بن السيد عبدالله بن السيد محمود الانوى البغدادى)

بست و یکم: مسند احمد میں حدیث ہے کہ ایک شخص نے اپنا منہ [1] قبر نبوی پر رکھا ہوا تھا۔مروان نے کہا کیا کرتا ہے۔جب اس شخص نے مڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ شخص ابو ایوب انصاری ہیں فرمانے لگے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں پتھر کے پاس نہیں آیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے۔تو دین پر اس وقت نہ دو جب اس کے والی اسکے اہل ہوں لیکن اس وقت جب غیر اہل اسکے والی ہو جائیں

جواب: اس حدیث میں دو راوی متکلم فیہ ہیں۔ایک کثیر بن زید اسلمی ہے تقریب میں لکھا ہے سچا ہے خطاء کرتا ہے۔اور ایسے راوی کی حدیث تاکید کا کام دے سکتی ہے استدلال کے قابل نہیں دوسرا راوی داؤد بن ابی صالح حجازی ہے۔تہذیب التہذیب میں ذہبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ غیر معروف ہے۔جب دو متواتر راوی اس میں ایسے ہیں تو اس کو دلیل پیش کرنا کیسے صحیح ہوگا؟

---

[1] فتح المنان تتمہ منہاج التاسیس میں مسند احمد کی یہ روایت ذکر کی ہے۔اس میں ماتھے کے رکھنے کا ذکر کیا ہے۔ یہ غلط ہے۔۱۲

اس کے علاوہ اس میں صرف قبر پر منہ رکھنے کا ذکر ہے۔ نہ نداء ہے ، نہ سوال، نہ سجدہ وغیرہ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ منہ بوسہ کے طور پر رکھا ہے۔ یا ویسے ہی، جیسے انسان کسی بات کی سوچ یا کسی شئے کے افسوس میں ہوتا ہے۔ تو سر آگے کو جھکا کر آگے کوئی شئے ہوتی ہے تو اس پر سہارا کر لیتا ہے۔ اور مروان نے آنے پر انکار کیا ہے۔ چنانچہ ابو ایوب کا جواب دلالت کرر ہا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں پتھر کے پاس نہیں آیا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کو آیا ہوں جس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر پتھر کی زیارت کو آتا تو تمہارا انکار صحیح ہوتا۔

اس روایت سے صرف قبر کی زیارت معلوم ہوئی۔ اور زیارت سے کسی کو انکار نہیں ہاں زیارت کے لئے سفر کرنا ثابت نہیں نہ اس روایت سے نہ کسی اور سے۔

بست و دوم: سبکی شفاء السقام میں لکھتے ہیں کہ ابن عساکر نے اسناد جید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ابو الدرداءؓ کہتے ہیں۔ کہ بیت المقدس کے بعد بلالؓ ہمارے ہاں ٹھہر گئے ایک دن رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ اے بلالؓ یہ سخت دلی کب تک؟ کیا وقت نہیں آیا تو ہماری زیارت کرے۔ بلالؓ خوف اور غم کی حالت میں جاگے۔ اسی وقت شام سے مدینہ کا قصد کیا۔ پس قبر نبویؐ پر آئے اور اپنا منہ قبر نبویؐ پر ملنے لگے اور کسی صحابی نے اس پر انکار نہیں کیا۔

جواب: صارم منکی میں ہے کہ اس اثر کو حاکمؒ نے اپنے فوائد کی جز خامس میں روایت کیا ہے اور اسی اسناد سے ابن عساکر نے ترجمہ بلال میں ذکر کیا ہے۔ اور یہ غریب منکر ہے اور اس کی اسناد مجہول ہے۔ اور اس میں انقطاع ہے اور اس میں ابراہیم بن محمد بن سلیمان بن بلال ایک راوی ہے۔ اس سے صرف محمد بن فیض غسانی نے روایت کیا ہے اور ابراہیم اپنے باپ سے وہ اس کے دادے سے۔ اور ابراہیم مجہول ہے اسکا صرف ایک ہی

شاگرد ہے یعنی محمد بن فیض غسانی اور سلیمان بن بلال کا حال بھی معلوم نہیں۔اس کے شاگرد دو شخص ہیں ایک اس روایت میں اس کا بیٹا اور ایک ایوب بن مدرک حنفی کسی دوسری روایت میں اور محمد بن سلیمان کے حق میں ابی حاتم نے کہا ہے کہ **مابحدیثه باس** یعنی ''اس کی حدیث کے ساتھ ڈر نہیں'' ایسے راوی کی روایت عموماً تائید کا کام دے سکتی ہے۔استدلال کے قابل نہیں ہوتی خصوصاً توحید کے مسائل میں۔اور محمد بن فیض غسانی بھی کوئی زیادہ معروف نہیں۔ شفاء السقام میں اس کے صرف تین شاگرد ذکر کئے ہیں۔ابن عدی۔حاکم اور ابوبکر بن المقرئی اپنی معجم میں اس سے زیادہ ثقہ یا غیر ثقہ ہونا کچھ نہیں بتلایا غرض یہ سارا سلسلہ ہی کمزور ہے بھلا ایسی روایتیں اس قابل ہیں کہ ان پر اعتماد ہو۔اور اختلاف اور تنازع کے وقت ان کی طرف رجوع ہو۔حاشاو کلا۔

اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مراد خود آپ ﷺ کی زیارت تو ممکن نہیں کیونکہ آپ ﷺ وفات پا چکے ہیں۔اب یا قبر کی زیارت مراد ہوگی یا مسجد کی یا دیگر مشاہد کی تو ہوسکتا ہے کہ بلالؓ نے مسجد نبوی کے ارادے پر سفر کیا ہو۔پھر قبر نبوی ﷺ پر آئے ہوں مگر مسجد نبوی ﷺ میں جو کچھ ہوتا ہے معلوم ہے اور قبر کی زیارت پر ان سے انوکھی بات ہوئی جس سے ان کی بیقراری ظاہر ہوئی یعنی رونا اور قبر پر منہ ملنا اسلئے قبر کی زیارت پر کفایت کی۔دیکھئے! قبر پر آ کر سلام کہنا اور درود پڑھنا بھی مذکور نہیں۔کیا بلالؓ نے اس سنت کو ترک کر دیا؟ ہرگز نہیں کیونکہ ان کی شان کے یہ بالکل خلاف ہے اگر کہو کہ بیقراری کی وجہ سے یہ کوتاہی ہوئی۔اور قبر پر منہ ملنے لگ گئے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس حالت کا ان کا فعل شریعت میں معتبر نہ ہو۔کیونکہ غلبہ محبت کی وجہ سے بیقرار ہوکر یا جوش غصہ کی وجہ سے یا زیادہ دکھ، درد یا صدمہ کی وجہ سے جو کچھ انسان سے ہوجاتا ہے۔وہ شرع میں دلیل نہیں ہوتا پس اس سے استدلال کرنا فضول ہے چنانچہ صفحہ ۱۰۴-۱۰۵ میں اس کی تفصیل

گزر چکی ہے۔ رہا توسل واستمداد کا مسئلہ تو اس کا اس میں نام ونشان نہیں۔

(فتح المنان تتمہ منہاج التاسیس صفحہ ۲۹)

بست وسوم: ابن جوزیؒ صفوۃ الصفوہ میں تابعین میں ایک شخص قریشی سے جس کا نام ابوایوب ہے نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت بڑی عابدہ تھی شیطان نے اس کو ست کرنا چاہا۔ اس نے قبر نبوی ﷺ کے ساتھ اعتصام کیا۔ وہاں اللہ کو یاد کیا۔ اور رسول پر درود پڑھا۔ پس وہ وسوسہ دور ہو گیا۔

جواب: ابوایوب بھی مجہول، وہ عابدہ بھی مجہول۔ ایسے واقعات سے کیا ثابت ہوسکتا ہے؟ اور ابن جوزی اگرچہ متشدد ہیں۔ لیکن ان سے تصحیح نقل نہیں ہوئی۔ اس کے علاوہ ہم نے کئی دفعہ لکھا ہے کہ کسی کام کا ہو جانا دلیل جواز نہیں۔ بلکہ شریعت میں اس کا ثبوت چاہئے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۴۷

آجکل یہ لوگ زیادہ تر یہی دلائل پیش کرتے ہیں کہ فلاں جگہ یہ ہو گیا۔ اہل توحید کو اس دھوکا میں نہیں آنا چاہئے واللہ الموفق۔

بست وچہارم: شارح صحیح بخاری تفسیر میں لکھتے ہیں کہ بصرہ میں ابوموسی اشعری کی حکومت میں نابغہ جعدی شاعر نے یہ شعر پڑھا۔

فیا قبر النبی وصاحبیہ　　الا یا غوثنا لو تسمعوا

یعنی اے قبر نبیؐ کی اور صاحبین کی اے ہماری فریاد پر پہنچنے والو! اگر ہماری فریاد سنتے۔

جواب: کسی کی حکومت میں ایک واقعہ ہو جانا اس کے جواز کی دلیل نہیں۔ خدا جانے اس کو خبر ہوئی ہے یا نہیں دوسرے اس میں کلمہ شرط لو ہے۔ جو شئے کے عدم وقوع پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے اللہ تعالی فرماتا ہے

لو کان فیهما الهة الا الله لفسدتا .(الایه پ ۱۷)

یعنی آسمان وزمین میں اگر اللہ کے سوااور معبود ہوتے تو آسمان وزمین بگڑ جائے یعنی اللہ کے سوانہ اور معبود ہیں نہ آسمان وزمین بگڑے۔

اس بناء پر اس شعر کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری نداء اور فریاد تم سنتے ہوتے تو ہوتی لیکن نہ تم سنتے ہو نہ ہماری نداء اور فریاد ہے۔ پس یہ شعر درحقیقت استمداد غیر اللہ والوں کی تردید ہے تائید نہیں۔ کیونکہ جب سنتے ہی نہیں تو استمداد کیا۔

کلمہ ''لو'' کا معنی

اگر کہا جائے کہ کلمہ لو آرزو کے معنی میں بھی آتا ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے۔ کہ یہ لو کے حقیقی معنی نہیں اسی لئے کتب نحو میں لو کو حروف شرط میں شمار کیا ہے۔ نہ حروف تمنی میں پھر آرزو کبھی محال بھی ہوتی ہے جیسے **لیت الشباب یعود** .یعنی'' کاش! جوانی لوٹ آئے۔'' اور جب ممکن بات کی آرزو ہوتی ہے تو وہ بھی عموماً عدم وقوع کے خیال سے ہوتی ہے جیسے قرآن مجید میں ہے۔ **یٰلیت لنا مثل ما اوتی قارون** .یعنی'' کاش! ہمارے پاس بھی اتنا مال ہوتا جتنا قارون کو دیا گیا۔'' بہرصورت یہ شعر استمداد وغیر اللہ والوں کی تردید ہے۔ لیکن وہ ناواقفی سے اپنی تائید سمجھ رہے ہیں۔ اسکے علاوہ اس واقعہ کا کوئی ثبوت ہی نہیں۔ مواہب میں نہ اس کی سند ہے نہ اس کا حوالہ ہے۔ بھلا ایسے مجہول واقعات سے عقائد ثابت ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

بست و پنجم: معالم التنزیل جلد ۲ کے صفحہ ۲۲۶ میں زیر آیت کریمہ **ان احسنتم احسنتم وان اسأ تم فلها** . لکھا ہے کہ جب یحیٰ نبیؑ کو یہود نے شہید کر دیا تو شہر بابل سے خردوش بادشاہ نے ان پر چڑھائی کی۔ ملک شام میں آکر اترا اور اپنا ایک

سردار لشکر دیکر بیت المقدس میں بھیجا۔سردار وہاں گیا کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص کا خون زمین پر جوش مار رہا ہے۔زمین اس کو نہیں نگلتی۔یہود سے پوچھا، انہوں نے نہیں بتلایا۔اس نے ان کے بہت سے آدمی مار ڈالے۔پہلے سات سو ستر سردار مارے، پھر سات سو لڑکے، پھر سات ہزار بوڑھے اور ان کی عورتیں۔آخر وہ ڈر گئے اور انہوں نے بتلا دیا کہ یہ یحیٰ نبیؑ کا خون ہے۔اس سردار نے اپنا لشکر باہر نکلوا دیا اور شہر کے دروازے بند کر کے اسرائیل میں تنہا ہو کر یہ کلمات کہے۔

یا یحی بن زکریا قدعلم ربی ور بك ما قداصاب قو مك من اجلك ومن قتل منهم فاهدأ باذن ر بك قبل ان الا بقی من قو مك احدا الا قتلته فهدأ الدم باذن الله .

یعنی ''اے یحیٰ بن زکریا! میرے اور تیرے رب نے جان لیا ہے جو تیری وجہ سے قوم کو پہنچا ہے۔اور جو ان سے قتل ہو گئے اللہ کے حکم سے تو ٹھہر جا، ورنہ میں تیری قوم سے ایک کو بھی نہیں چھوڑوں گا مگر قتل کر دوں گا۔پس وہ خون اللہ کے حکم سے ٹھہر گیا۔''

جواب: تفسیر ابن کثیر جلد ۶ صفحہ ۴۵ میں ہے۔

عن یحی بن سعید قال سمعت سعید بن المسیب یقول ظهر بختنصر علی الشام فخرب بیت المقدس وقتلهم ثم اتی دمشق فوجد بها وما یغلی علی کبا فسالهم ما هذاا لدم فقالوا ادر کنا اباء نا علی هذا وکلما ظهر علیه الکبا ظهر قال فقتل علی ذ لك الدم سبعین الفا من المسلمین وغیرهم فسکن وهذا صحیح الی سعید بن المسیب وهذا هو المشهور .

یعنی ''سعید بن مسیّب (تابعی) فرماتے ہیں بختنصر بادشاہ شام پر غالب آیا پس بیت المقدس کو خراب کیا۔اور لوگوں کو قتل کیا پھر دمشق میں آیا اور وہاں خون پایا۔جو جھاگ

کے ساتھ جوش مار رہا تھا۔ان سے پوچھا کہ یہ کیسا خون ہے انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی پر پایا ہے۔اس نے ستر ہزار مسلمان وغیرہ اس خون پر قتل کئے۔پس خون ٹھہر گیا (یعنی صرف قتل ہی سے خون ٹھہر گیا نہ بعد میں یحیٰی علیہ السلام کی نداء سے) اس کی سند سعید بن مسیب تک صحیح ہے۔اور یہی مشہور ہے۔''

اسکی دو تین سطر بعد ابن کثیر لکھتے ہیں۔

جرت امور کوائن یطول ذکرها ولو وجدنا ماهو صحیح اوما یقاربه لجاز کتابته وروایته.

یعنی ''اس میں بہت سے معاملات اور حادثے ہوئے۔جن کا ذکر لمبا ہے۔اگر ہم ان کو صحیح پاتے یا صحیح کے قریب پاتے۔تو ان کا لکھنا اور انکا نقل کرنا جائز ہوتا۔''

غرض جو کچھ سعید بن مسیب نے ذکر کیا ہے وہ لکھنے اور روایت کرنے کے قابل ہے اس کے علاوہ باقی امور جن میں سے خردوش اور اس کے سردار کا واقعہ بھی ہے یہ سب بے ثبوت ہیں اور اسرائیلیات عموماً اسی قسم کے ہوتے ہیں۔دیکھئے! یہود توراۃ سے باتیں سناتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بات سن کر نہ اس کو سچ کہو، نہ جھوٹ چنانچہ مشکوۃ باب الاعتصام میں ہے تو بھلا ادھر ادھر کی باتوں کا کیا حال؟ وہاں وعظ ونصیحت کے طور پر کسی بات کا سنا دینا اس کا کوئی حرج نہیں۔کیونکہ وعظ نصیحت کے لئے یہ شرط نہیں۔کہ وہ بات صحیح ہو بلکہ غیر معتبر ہو تب بھی مقصود حاصل ہے۔کیونکہ مقصود خوف دلانا ہوتا ہے۔ممکن ہے کہ یہ درست ہو، تو ہمیں چاہئے کہ ایسی حالت سے بچیں۔ورنہ عمل اور عقیدہ کے لائق نہیں۔ دیکھئے مشکوۃ باب الاعتصام میں ہے۔حضرت عمرؓ جب توراۃ کی تختیاں پڑھ رہے تھے تو حضرت رسول اللہ ﷺ کیسے سخت ناراض ہوئے اور فرمایا۔

امتھکون انتم کما تھوکت الیھود والنصارٰی.

یعنی ''کیا تم بھی سرگردان ہونے والے ہو جیسے یہود و نصاریٰ سرگردان ہو گئے۔''

پھر فرمایا۔**ولو كان موسى حيا ما وسعه الا اتباعي .**

یعنی ''آج اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری تابعداری کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔''

اور وعظ و نصیحت کے طور پر بھی انہی اسرائیلیات کا ذکر کرنا ٹھیک ہے جنکی اسناد میں کوئی راوی جھوٹا یا متہم نہ ہو۔ نہ اس کی طرز بیان سے ٹپکتا ہو۔ کہ یہ بناوٹی ہے، نہ بالکل بے سند ہو جیسے ابن کثیر سے ابھی ہم نقل کر چکے ہیں۔

اسکے علاوہ نداء اور خطاب کئی طرح سے ہوتا ہے۔ چنانچہ تفصیل صفحہ ۱۳۰ اور ۱۳۱ میں گزر چکی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ معجزے یا کرامت کی صورت ہو، تفصیل اس کی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر شئے فہم اور ادراک والی ہے خواہ انسان ہو یا حیوان یا جماد وغیرہ۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یانار کونی بردا و سلاما علی ابراهیم .یاجبال اوبی معه والطیر .یاارض ابلعی ماءك ویا سماء اقلعی .

یعنی ''اے آگ! ابراہیمؑ پر ٹھنڈی اور سلامت ہو جا۔ اے پہاڑو! پرندو! داؤدؑ کے ساتھ تسبیح پڑھو۔ اے زمین! اپنا پانی نگل جا۔ اے آسمان! بند ہو جا۔''

اس قسم کی نداء اور خطاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جمادات غیر جمادات کو بہت ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے لحاظ سے اگرچہ ان میں فہم نہیں۔ لیکن اللہ کے نزدیک یہ ایسے نہیں ٹھیک اسی طرح معجزہ اور کرامت کے وقت نبی اور ولی کے نزدیک ان میں فہم پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں یہ الفاظ ہوتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے تو ایسا ہو جا۔ چونکہ اللہ کا حکم ذکر ہوتا ہے تو وہ ایسا ہی ہو گیا جیسے اللہ نے خطاب کیا ہے اور بندے کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا صرف بندے کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے جیسے معجزہ اور کرامت کا دستور ہے۔

تفسیر خازن جلد۳ صفحہ۴۴۲ میں اور دیگر تفاسیر وغیرہ میں ہے کہ جب قارون اور اس کے ساتھیوں کی سرکشی حد بڑھ گئی تو اللہ تعالی نے زمین موسی علیہ السلام کے تابع کر دی موسی علیہ السلام نے زمین کو کہا **یاارض خذیھم** یعنی ''اے زمیں! انکو پکڑ لے'' تو زمین نے ان کو پکڑ لیا یعنی زمین میں دھنس گئے۔

اور مشکوۃ باب المعجزات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قضائے حاجت ہوئی کہیں پردہ نہ ملا تو ایک درخت کی ٹہنی پکڑ کر فرمایا۔ **انقادی علی باذن اللہ** ''تو اللہ کے حکم سے میرے تابع ہو جا'' اس کو کھینچتے ہوئے دوسرے درخت کی طرف لے گئے اسی طرح دوسرے درخت کو کہا اور اس کو کھینچتے ہوئے پہلے کی طرف لے آئے۔ یہاں تک کہ دونوں کو ملا دیا اور جب فارغ ہوئے تو درخت اپنی اپنی جگہ پر آ گئے۔

تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۶ میں عمرؓ کی کرامات میں ہے کہ جب عمرو بن عاصؓ نے ملک مصر فتح کیا تو مصر کے لوگ عمرو بن عاصؓ کے پاس اکٹھے ہو کر آئے۔ اور کہا کہ دریائے نیل کے لئے ایک عادت ہے اس کے بغیر جاری نہیں ہوتا۔ وہ جب کہ فلاں ماہ کی گیارھویں رات ہوتی ہے تو ایک جوان لڑکی جس کے ماں باپ زندہ ہوتے ہیں اس کے ماں باپ کو دولت مال سے راضی کر کے اور اس لڑکی کو نہایت عمدہ کپڑے اور اعلی درجہ کا زیور پہنا کر دریا میں ڈال دیتے ہیں تب جاری رہتا ہے ورنہ خشک ہو جاتا ہے عمرو بن عاصؓ نے کہا یہ جاہلیت کی رسم ہے۔ اسلام میں جائز نہیں۔ وہ لوگ بند ہو گئے دریا نیل خشک ہو گیا یہاں تک کہ سخت قحط سالی پڑ گئی اور انہوں نے ملک و وطن چھوڑنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ عمرو بن عاصؓ نے جب یہ حال دیکھا تو حضرت عمرؓ کو لکھا کہ اس طرح کا معاملہ ہے حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ تو نے بہت اچھا کیا واقعی یہ جاہلیت کی رسم ہے اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا اور میں نے ایک چھوٹا سا پرچہ بھیجا ہے اس کو دریائے نیل میں ڈال دے عمر بن عاصؓ

نے یہ پرچہ کھول کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا۔

من عبداللہ عمر امیر المومنین الی نیل مصر اما بعد فان کنت تجری من قبلك فلا تجرد ان کان اللہ یجریك واسل اللہ الواحد القھار من یجریك .

یعنی ''یہ پرچہ اللہ کے بندے عمر امیر المومنینؓ کی طرف سے ہے۔ دریائے نیل کی طرف حمد وصلوۃ کے بعد! اے نیل اگر تو اپنے اختیار سے جاری ہوتا تھا تو نہ جاری ہو۔ اور اگر اللہ تجھے جاری کرتا تھا تو میں اللہ سے سوال کرتا ہوں تجھے جاری کر دے۔''

عمرو بن عاصؓ نے یہ پرچہ دریا نیل میں ڈال دیا۔ وہ جاری ہو گیا۔ اس واقعہ سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ کسی کام کا ہو جانا، اس سے یہ دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ کہ یہ جائز ہے دیکھئے! ہر سال دریا میں لڑکی ڈالنے سے دریا جاری رہتا اگر نہ ڈالتے تو بند ہو جاتا حالانکہ اسلام ان باتوں کی اجازت نہیں دیتا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں فلاں قبر پر جانے سے یہ ہو گیا فلاں قبر میں یہ تاثیر ہے ان کو اس محل میں غور کرنا چاہئے کہ یہ ان کی کتنی بڑی غلطی ہے کہ صرف کسی کام کے ہو جانے سے اس کو جائز سمجھ لیتے ہیں۔

دوسری بات جو ثابت ہوئی وہ یہی ہے۔ جو یہاں ذکر ہو رہی ہے کہ معجزے اور کرامت کے وقت جمادات کو بھی خطاب ہو سکتا ہے۔ اب کوئی شخص معجزے اور کرامت پر قیاس کر کے جمادات کو پکارے۔ جیسے مشرکین بتوں سے مرادیں مانگتے ہیں۔ یا قبروں پر اسی غرض سے جائے یا فوت شدہ لوگوں سے امداد چاہے تو اس کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

والذین یدعون من دونه لایستجیبون لھم بشیء کباسط کفیه الی الماء لیبلغ فاہ وما ھو ببالغه وما دعاء الکفرین الا فی ضلل .

یعنی'' جو غیروں کو پکارتے ہیں۔غیر ان کی فریاد قبول نہیں کرتے۔ان پکارنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی (کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ کر) پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے (اور اس کو بلائے) کہ اس کے منہ کو پہنچ جائے۔اور وہ اس کے منہ کو کبھی نہیں پہنچ سکتا۔اور نہیں پکار کافروں کی مگر گمراہی میں۔''

خوردوش کے سردار کا واقعہ اگر بالفرض صحیح ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ اس سردار کی کرامت [1] ہوگی کیونکہ خون کا اس طرح سے جوش مارنا، پھر ان کے کہنے سے ٹھہر جانا خرق عادات سے ہے تو اس سے استمداد غیر اللہ کا جواز کس طرح ثابت ہوا۔دیکھئے! بے علمی کہاں تک نوبت پہنچاتی ہے۔**اعاذنا الله منه.**

بست و ششم: طبقات کبریٰ شعرانی صفحہ ۹۳ میں ابو الخیر اقطع کا ایک واقعہ لکھا ہے جو چوتھی صدی میں ہوئے ہیں۔

كان رضى الله عنه يقول اتيت رسول الله ﷺ وانا جائع فقلت انا ضيفك يا رسول الله ﷺ وتنحيت ونمت خلف المنبر فرأيت النبى ﷺ فقبلت مابين عينيهم فدفع لى رغيفا فاكلت نصفه وانتهت وبيدى نصف الاخر.

یعنی''میں رسول اللہ ﷺ کے روضہ میں آیا اور میں بھوکا تھا پس میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کا مہمان ہوں اور وہاں سے الگ ہو کر منبر کے پیچھے آ کر سو گیا۔رسول اللہ ﷺ کو میں نے خواب میں دیکھا میں نے آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں کی درمیانی جگہ کا بوسہ لیا۔آپ ﷺ نے مجھے ایک چپاتی دی۔میں نے ابھی آدھی کھائی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی۔اور آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔''

۱۔کرامت تب ہوگی اگر وہ نیک ہو ورنہ استدراج ہوگا۔۱۲

جواب: ابوالخیر اگر چہ صالح شخص تھے، ان سے بعض کرامتیں بھی ظاہر ہوئی ہیں ۔مگر علم میں کوئی ان کی شہرت نہیں۔ بلکہ فاتحہ بھی ٹھیک نہیں پڑھ سکتے تھے چنانچہ طبقات شعرانی کے صفحہ ۹۴ میں ہے اسلئے ان کا یہ کہنا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کا مہمان ہوں قابل اعتماد نہیں ۔اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ کسی کام کا ہو جانا دلیل جواز نہیں دلیل جواز قرآن وحدیث اور اجماع امت ہے ۔اگر قبر پر درخواست ہوسکتی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر حضرت عباسؓ کو وسیلہ نہ بناتے اور اگر کرامت کے طور پر رسول اللہ ﷺ سے گفتگو ہوئی ہو تو کرامت خرق عادات سے ہے اور خرق عادات بھی دلیل نہیں کیونکہ وہ اپنے محل پر بندر ہتے ہیں۔

پھر ایک اور بات سنئے! وہ یہ کہ بعض نے اس واقعہ کی بابت صفوۃ الصفوہ میں ابن الجوزی کا حوالہ بھی دیا ہے ۔اور مختصر صفوۃ الصفوہ میں شعرانی نے ابو الخیر کا ذکر ہی نہیں کیا ۔اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی زیادہ معروف شخص نہیں تھے ۔پس ان کے قول کو کسی مسئلہ کی تائید میں بھی پیش نہیں کر سکتے چہ جائیکہ اس سے کوئی مسئلہ ثابت کیا جائے ۔خاص کر مسئلہ توحید جو زیادہ محل احتیاط ہے۔

اس کے علاوہ یہ واقعہ مجہول الاسناد ہے اور مجہول الاسناد سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا فافھم

بست وہفتم: نورالدین علی سہودی خلاصۃ الوفا صفحہ ۵۲ میں لکھتے ہیں:

قال ابو العباس بن نفیس المقری الضریر جعت بالمدینة ثلاثة ایام فجئت الی القبر فقلت یا رسول الله ﷺ جعت ثم بت ضعیفا فرکضتنی جاریة برجلها فقمت معها الی دارها فقد مت الی خبز بر وتمر او سمنا وقالت کل یا ابا لعباس فقد امرنی بھذا جدی ﷺ ومتی جعت

فات الینا انتھی

یعنی ’’ابوالعباس بن نفیس کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں تین دن کا بھوکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر آ کر میں نے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں بھوکا ہوں۔ پھر میں نے کمزوری کی حالت میں رات گزاری۔ پس ایک لڑکی نے مجھے پاؤں مار کر جگایا۔ میں اس کے ساتھ اس کے گھر گیا۔ اس نے میرے سامنے گیہوں کی روٹی اور کھجوریں اور گھی رکھا اور کہا اے ابوالعباس! میرے نانے نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے ﷺ جب تجھے بھوک لگے تو ہمارے پاس آجایا کرو۔‘‘

جواب: اس روایت کا جواب قریبا وہی ہے جو اوپر والی روایت کا ہے یعنی یہ بھی مجہول الاسناد ہے اور ابوالعباس غیر معروف ہے۔ جس کا فعل قابل اعتماد نہیں۔ اور کسی کام کا ہو جانا دلیل جواز نہیں بلکہ دلیل جواز قرآن وحدیث اور اجماع امت ہے۔ اور حضرت عمرؓ کی بابت رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ میرے بعد ابو بکرؓ اور عمرؓ کی تابعداری کرو، انہوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر حضرت عباسؓ کا وسیلہ پکڑا۔ کیا مسلمان جس کے دل میں سلف کی عزت ہے وہ ایسے ایسے صحابہؓ کی روش کو چھوڑ کر ان لوگوں کی روش کو اختیار کر سکتا ہے جو سینکڑوں برس بعد ہوئے ہیں۔ خاص کر جن کے علم کی بھی کوئی شہرت نہ ہوا کثر اہل بدع اسی بیماری میں مبتلا ہیں کہ صحابہ وغیرہ کی کوئی قدر نہیں کرتے **کل جدید لذیذ** (ہر نئی چیز اچھی لگتی ہے) پر عمل کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کہ **کل محدث بدعه و کل بدعة ضلاله** (ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے) کا خیال نہیں رکھتے گویا نہ سنت رسول کی کچھ پرواہ ہے نہ صحابہؓ کی بات کی کوئی عزت ہے **(انا لله وانا اليه راجعون)**.

بست وہشتم: شاہ عبدالحقؒ جذب القلوب میں احمد بن محمد صوفی کا واقعہ لکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں تین ماہ جنگل میں رہا اور درختوں کے پتے کھاتا رہا۔ یہاں تک کہ میرے جسم کا چمڑا پھٹ گیا۔ مدینہ شریف آیا رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے یاروں کی زیارت کی اور ان پر درود وسلام پڑھا۔ پھر وہاں نیند آ گئی خواب میں رسول اللہ ﷺ ملے۔ میں نے آپ ﷺ کے پاس فاقہ کی شکایت کی آپ ﷺ نے مجھے چند درہم دیئے جب آنکھ کھلی تو

میرے ہاتھ میں تھے۔ میں بازار گیا اور ایک درہم کا کھانا کھایا۔ اور خدا کا شکرادا کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ پر سلام کہہ کر پھر جنگل کو چلا گیا۔

جواب: اس کا جواب بھی اوپر کی روایت کا ہے اس کے علاوہ اس میں بیداری میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کا کوئی ذکر نہیں۔ اور شریعت کا تعلق بیداری سے ہے نہ نیند سے ہاں ان درہموں کا آنکھ کھلنے کے بعد ہاتھ میں موجود رہنا یہ خرق عادات سے ہے۔ پس اگر یہ بات ثابت ہو جائے۔ تو احمد بن محمد کی کرامت ہوگی۔ اور کرامت اور معجزے کی بابت ہم کئی بار بتلا چکے ہیں کہ اس سے استدلال صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲۔

تنبیہ: اس قسم کی بعض روایتیں بھی ہیں۔ جیسے ابو محمد اشبیلی ایک شخص کی بابت کہتے ہیں۔ کہ وہ بیمار ہو گیا یہاں تک کہ طبیبوں نے اس کو جواب دیدیا۔ اس کی طرف سے وزیر بن ابی خصالؒ نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا جس میں شفاء طلب کی۔ اور وہ سواروں کے ہاتھ مدنیہ شریف بھیجا جب آپؐ کی قبر مبارک پر وہ خط پڑھا گیا تو اسی وقت وہ شخص تندرست ہو گیا۔

اور محمد بن سکندر اپنے باپ کا واقعہ سناتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص نے ۸۰ مہریں امانت رکھیں اور عند الضرورت صرف کرنے کی اجازت دے دی میرے والد کو کہیں ضرورت ہوئی۔ انہوں نے خرچ کرلیں جب وہ آیا تو حیران ہو گئے کہ کہاں سے ادا کروں رسول اللہ ﷺ کے روضہ پر گریہ زاری کی۔ ایک شخص نے ۸۰ مہروں کی تھیلی میرے والد کے ہاتھ میں دے دی۔

اور احمد بن قسطلانی کہتے ہیں کہ میں بہت مدت تک بیمار رہا۔ کوئی دوا نفع نہیں کرتی تھی ۸۹۳ھ میں جمادی الاول کو رسول اللہ ﷺ سے مدد چاہی۔ اسکے بعد میں سو گیا خواب میں ایک شخص ملا اس نے دوا دی اور کہا یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے وہ دوا استعمال کی۔ جب آنکھ کھلی تو اس بیماری کا نام ونشان نہ رہا۔

اور ابو محمد عبد الرحمٰن جزولی فرماتے ہیں کہ ہر سال میری آنکھیں دکھنے آتی تھیں

جب میں مدینہ شریف آیا تو اس سال بھی آنکھیں دکھنی آ گئیں۔رسول اللہ ﷺ کی قبر پر آ کر فریاد کی تو بالکل صحت ہوگئی۔

اور بعض ابو طالب کے اشعار کو دلیل لیتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی مدح میں واقع ہوئے ہیں۔جیسے

وابیض یستسقی الغمام بوجهه

ثمال الیتامی عصمته للارمل

یعنی ''سفید رنگ اسکے چہرے کے ذریعہ سے پانی مانگا جاتا ہے یتیموں کا خبر گیر اور بیواؤں کا بچاؤ ہے۔

حالانکہ ابو طالب کافر تھا اسکی بات دلیل نہیں ہوسکتی۔اگر کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے انکار کیوں نہ کیا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس نے **لا الہ الا اللہ** نہیں پڑھا تو اس کو کچھ اور کہنا فضول تھا۔اسکے علاوہ زندے کا وسیلہ مسلم ہے۔جس کی صورت یہ ہے کہ اس کو دعاء کے لئے آگے کرے۔جیسے حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کا پکڑا اور حضرت معاویہؓ نے یزید بن اسودؓ کا۔چنانچہ

صفحہ ۴۱-۴۲ میں گزر چکا ہے صحابہ خیر قرون کو چھوڑ کر ادھر ادھر بہکے پھرنا یہی گمراہی کا اصل الاصول ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی اس قسم کی کئی روایتیں فریق ثانی ذکر کیا کرتا ہے۔ان سب کا جواب وہی اوپر والی روایات کا ہے۔کہ اول تو وہ اکثر موضوع ہیں۔یا مجہول الاسناد ہیں دوم قرآن وحدیث اور سلف کے سوا کسی بات کا اعتبار نہیں۔نیز کام کا ہو جانا دلیل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کفار کی بھی سنتا ہے اور ان کے کام بھی ہو جاتے ہیں۔

اور اگر کسی بزرگ کی کرامت ہو تو اس سے بھی استدلال صحیح نہیں۔کیونکہ خرق عادات اپنے محل پر بند رہتے ہیں۔وہ کوئی عمل کی شئے نہیں۔

توسل واستمداد کے قائلین کی نئ دلیلیں

بعض لوگ قبروں کی تعظیم یا توسل واستمداد کے ثبوت میں دوتین نئ دلیلیں پیش کیا کرتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ان کا بھی ذکر کردیں۔تاکہ ہمارا رسالہ جامع ہوجائے۔

پہلی دلیل: آیۃ کریمہ **واتخذوا من مقام ابراهيم مصلي**۔یعنی''مقام ابراہیم کونماز کی جگہ بناؤ'' اس آیت سے آثار صالحین کے ساتھ تبرک حاصل کرنا ثابت ہوا۔

جواب: جس شئے کوخداتعالی نے عبادت بنادیا۔وہ تو مومن کا عین مقصود ہے۔نزاع تو اس میں ہے کہ کیا ہم اپنی طرف سے بھی کوئی شئے مقرر کرسکتے ہیں؟ اسکا جواب ہمیں نفی میں ملتا ہے مثلاً بخاری میں ہے۔مائی ھاجرہ صفا مروہ کے درمیان پانی کے لئے دوڑی تھیں قرآن میں اللہ تعالی نے صفا مروہ کے درمیان دوڑنے کو حج عمرہ کے احکام سے کردیا۔چنانچہ ارشاد ہے **ان الصفا والمروة من شعائر الله**۔یعنی''صفا مروہ دین الہی کی نشانیوں سے ہیں''

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو منی میں جمروں کے پاس شیطان نظر آیا تو انہوں نے شیطان کوکنکر مارے۔وہی خداتعالی نے ہمارے لئے عبادت مقرر کردی چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

فمن تعجل في يومين فلا اثم عليه ومن تاخر فلا اثم عليه .

یعنی''جو دودن میں جلدی کرے اس پر کوئی گناہ نہیں۔اور جو پیچھے رہے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔اس آیت میں دودن یا تین دن انہی جمروں کی خاطر ٹھہرا جاتا ہے۔

اسی طرح اورکئی بزرگوں کی یادگار قائم کی گئی۔تو کیا اب ہم بھی کسی جگہ کوئی بزرگ اپنی ضرورت کے لئے دوڑا ہوتو اس جگہ دوڑیں۔یا کسی بزرگ نے کسی جگہ اینٹ پتھر مارا ہو

تو ہم بھی مارا کریں حالانکہ کسی مذہب میں یہ درست نہیں صحابہؓ ایسی باتوں سے سخت منع کیا کرتے تھے کئی لوگوں نے مقام ابراہیمؑ کا مسح کیا تو عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ اس کے مسح کا حکم نہیں آیا۔ چنانچہ صفحہ ۱۷ میں اس کی تفصیل گزرچکی ہے۔

امام محمد برکوی رسالہ زیارۃ القبور ملحقہ ردالوافر صفحہ ۵۴ میں محل اجابت سمجھ کر قبروں کی زیارت کرنا ذکر کرکے لکھتے ہیں۔

وقد انكر الصحابة ماهو دون هذا بكثير ما روى غير واحد عن المعرور دبن سويد انه قال صليت مع عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه فى طريق مكة صلوة الصبح فقرأ فيها الم تر كيف فعل ربك باصحاب الفيل ولا يلاف قريش ثم رأى الناس يذهبون مذاهب فقال اين يذهب هؤلاء قيل يا امير المومنين مسجد فيه صلى رسول الله ﷺ فهم يصلون فيه فقال انما هلك من كان قبلكم بمثل هذا يتبعون اثار انبياء هم وتتخذونها كنائس وبيعا فمن ادركته الصلوة فى هذه المساجد فليصل ومن لافليمض ولا يتعمدها وكذلك لما بلغه ان الناس ينتابون الشجرة التى بايع تحتها رسول الله ﷺ اصحابه ارسل فقطعها رواه ابن وضاح فى كتابه فقال سمعت عيسى بن يونس يقول امر عمر بن الخطابؓ بقطع الشجرة التى بويع تحتها النبى ﷺ فقطعها لان الناس كانوا يذهبون الى الشجرة فيصلون تحتها فخاف عليهم الفتنة روى ابو بكر الخلال باسناده عن حذيفة بن اليمان انه قال لرجل جعل فى عنده خيطا من الحمى لومت وهذا عليك لم اصل عليك انتهى .

یعنی ''صحابہؓ نے اس سے بہت چھوٹی باتوں پر بھی انکار کیا ہے۔ چنانچہ معرور

بن سوید سے بہت نے روایت کیا ہے کہ رستہ مکہ میں میں نے حضرت عمر بن الخطابؓ کے پیچھے نماز فجر کی نماز پڑھی اس میں سورۃ فیل اور لایلاف قریش پڑھی۔ (پھر سلام کے بعد) لوگوں کو دیکھا کہ ادھرادھر جارہے ہیں پوچھا یہ کہاں جاتے ہیں۔ کہا گیا۔ امیر المومنین ایک مسجد ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ یہ اس میں نماز پڑھتے ہیں۔ فرمایا پہلی امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوگئیں کہ انہوں نے انبیاءؑ کے آثار کے پیچھے لگ کر ان جگہوں میں عبادتخانے اور گرجے بنائے۔ جس شخص کو ان مسجدوں میں نماز کا وقت آجائے نماز پڑھے ورنہ گزر جائے۔ اور ان مسجدوں کا قصد کر کے نہ جائے اسی طرح جب حضرت عمرؓ کو خبر پہنچی کہ لوگ اس درخت کے پاس یکے بعد دیگرے آتے ہیں۔ جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے بیعت لی تو اس درخت کو کٹوا[1] دیا چنانچہ ابن وضاح نے اپنی کتاب میں اس کو روایت کیا ہے کہ میں نے عیسیٰ بن یونس سے سنا وہ فرماتے تھے کہ حضرت عمرؓ نے

---

[1] ایک روایت میں آیا ہے کہ جس سال رسول اللہ ﷺ نے بیعت لی اس سے دوسرے سال اس درخت کا کہیں پتہ نہیں لگا کہ کونسا ہے گویا خدا نے اس پر پردہ ڈال دیا۔ ان دونوں روایتوں میں موافقت یوں ہے کہ اصل درخت کا یقینی طور پر پتہ نہیں لگا۔ لوگوں نے شبہ سے ایک درخت کو وہی سمجھ کر اس کی زیارت شروع کر دی حضرت عمرؓ نے اس کو کٹوا دیا۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان جن جگہوں میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ہے ان کی بابت حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس شخص کو ان جگہوں پر نماز وقت آجائے وہ ان میں نماز پڑھے اور ان جگہوں کا قصد نہ کرے پہلے قصد کر کے نہ آوے یہ عبداللہ بن عمرؓ کے قول کے خلاف نہیں جو بخاری میں ہے کہ وہ ان جگہوں کا قصد کرتے تھے کیونکہ عبداللہ بن عمرؓ ان جگہوں کا قصد کر کے نہیں آتے تھے بلکہ حج اور عمرہ کو جاتے وقت جب جگہوں میں اترتے تو کسی اور جگہ نماز نہ پڑھتے بلکہ ان جگہوں کا قصد کرتے اور یہ حضرت عمرؓ کے اس کہنے کے بالکل موافق ہے کہ جس کو ان جگہوں میں نماز کا وقت آجائے وہ ان میں نماز پڑھے غرض ان جگہوں کی زیارت کی نیت کر کے نماز پڑھنے کیلئے آنا منع اور اتفاقیہ کسی اور کام کی وجہ سے وہاں پہنچ جائے، نماز کا وقت آجائے تو وہاں نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس سے وہ جگہیں زیارت گاہ نہیں بنتیں ۱۲۔

اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ سے بیعت ہوئی ۔ کیونکہ اسکے نیچے لوگ نماز پڑھنے کیلئے جاتے تھے ۔ تو حضرت عمرؓ کو لوگوں پر شرک کا خوف ہو گیا، ابو بکر خلال نے اپنی اسناد کے ساتھ حذیفہ بن یمان صحابیؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کے بازو میں تاگا بندھا ہوا دیکھا جو اس نے بخار کے لئے کسی سے کروایا تھا ۔ تو فرمایا اگر تو مرجاتا اور یہ تاگا تجھ پر ہوتا تو میں تجھ پر نماز جنازہ نہ پڑھتا۔

خلیفہ ثانیؓ اور خوف شرک

بلاغ المبین کے صفحہ ۷-۸ میں شاہ ولی اللہ محدث صاحب نے بھی مکہ مدینہ کے درمیان میں مسجد اور درخت کے متعلق حضرت عمرؓ کی یہ دونوں روایتیں ذکر کی ہیں یعنی مکہ مدینہ کے درمیان مسجد میں نماز کا قصد کرنے کو منع کرنا اور اس درخت کو کٹوا دینا جس کے نیچے بیعت ہوئی تھی ۔ یہ ذکر کر کے اہل قبور کی بڑی تردید کی ہے ۔ جو اس قسم کے آثار کو اور بزرگوں کے عصا اور تسبیح وغیرہ کو کہیں نصب کر کے زیارت گاہ مقرر کر دیتے ہیں ۔ اور انکا قصد کر کے زیارت کو آتے ہیں۔

تقرب الٰہی کیلئے سفر

خاص کر ایسی جگہوں کے لئے سفر کرنا اور دور دراز کی منازل طے کرتے ہوئے آنا یہ اور بہت برا ہے متفق علیہ حدیث ہے ۔ حضرت عمرؓ کے درخت بیعت رضوان کٹوانے کی روایت کو ابن فضل کے علاوہ ابن ابی شیبہ اور سعید بن منصور نے بھی روایت کی ہے اور فتح الباری میں اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے۔

لا تشد الرحال الا الی ثلثة مساجد المسجد الحرام والمسجد الاقصی ومسجدی هذا .

یعنی ''پالان نہ باندھیں جائیں یعنی سفر نہ کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف ،مسجد حرام، مسجد اقصی، مسجد بیت المقدس اور میری مسجد۔''

نسائی (باب) ذکر الساعۃ التی یستجاب فیھا الدعاء یوم الجمعۃ جلد اول صفحہ ۱۱۵ میں ہے حضرت ابوھریرہؓ کہتے ہیں۔

لقیت بصرة بن ابی بصرة الغفاری قال من این جئت قلت من الطور قال لو لقیتك من قبل ان تاتیه لم تاته قلت له ولم قال انی سمعت رسول الله ﷺ لا تعمل المطی الا الی ثلثه المسجد الحرام ومسجد ی ومسجد بیت المقد س .

یعنی ''میں بصر بن ابی بصرہ کو ملا۔ انہوں نے کہا آپ کہاں سے آئے؟ میں نے کہا پہاڑ طور سے کہا اگر میری ملاقات آپ سے پہلے ہوتی تو آپ پہاڑ طور پر نہ آتے میں نے کہا کیوں؟ کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ سفر نہ کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف مسجد حرام، میری مسجد، بیت المقدس۔

علامہ سندی حنفی اس حدیث پر لکھتے ہیں۔

استدلال بصرة به وهو راوی الحدیث یدل علی ان المستثنی منه عام ای مکان ۱؎ من الامکنة.

اشہر بن حوشب کہتے ہیں **سمعت ابا سعید الخدری وذکرت عنده صلوة فی الطور فقال قال رسول الله ﷺ لا ینبغی للمطی ان تشد رحاله الی مسجد ینبغی فیه الصلوة غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصی ومسجد ی هذا۔** (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یعنی ''بصرہ راوی حدیث کا استدلال دلالت کرتا ہے کہ مستثنیٰ منہ عام ہے۔یعنی کسی جگہ کی طرف (تقرب کے لئے) سفر کرنا جائز نہیں۔مگر تین مسجدیں ۔

امام مالک اور زیارۃ قبر نبوی

ابن تیمیہ علیہ الرحمہ فائدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلۃ کے صفحہ ۹۷ میں لکھتے ہیں. **وسئل مالك عن رجل انذر ان ياتي قبر النبي ﷺ فقال مالك ان ارادالقبر فلا ياته وان اراد المسجد فلياته ثم ذكر الحديث لا تشد الرحل الا الى ثلثه مساجد ذكر القاضي اسما عيل في مبسوط**

یعنی ''امام مالک علیہ الرحمہ ایک شخص کی بابت جس نے نذر مانی کہ قبر نبی ﷺ کو آئے گا سوال ہوا تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر قبر کا ارادہ کیا ہے۔تو نہ آوے اگر مسجد نبوی کا

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۶۴ میں نے ابوسعید خدریؓ کے پاس طور میں نماز کا ذکر کیا ۔تو کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی مسجد کی طرف پالان نہ باندھے جائیں۔سوا مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے۔اس حدیث سے بعض نے یہ خیال کیا ہے کہ مستثنیٰ منہ عام نہیں بلکہ مسجد ہے۔لیکن ابوسعیدؓ کا کوہ طور پر جانے کی ممانعت پر استدلال کرنا بتلا رہا ہے کہ مستثنیٰ منہ عام ہے پس اب دو صورتیں ہیں۔یا تو الی مسجد میں مسجد سے مراد مکان معظم ہو خواہ حقیقت میں معظم ہو یا لوگوں کے خیال میں معظم ہو یا الی مسجد کا لفظ شہر بن حوشب کی غلطی ہو۔کیونکہ شہر بن حوشب کو تقریب میں کثیر الارسال والا وہام لکھا ہے۔یعنی بغیر سنے بہت روایت کرتا ہے۔اور بھولتا بہت ہے اور اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابوسعید خدریؓ کے اور کسی شاگردوں نے یہ روایت کی ہے۔کسی نے بھی الی مسجد ذکر نہیں کیا۔حالانکہ وہ اس سے اچھے ہیں جیسے عطاء بن یزید قرعہ بن یحیٰ عکرمہ مولی زیاد۔ابوالوداک، ان سب کی روایات مسند احمد میں موجود ہیں ملاحظہ ہوں صفحات ۴۵، ۵۱، ۵۳، ۷۱ وغیرہ۔

ارادہ کیا ہے تو آئے کیونکہ حدیث میں سے تین مسجدوں کے سوا کسی جگہ کی طرف (بہ نیت تقرب) سفر جائز نہیں۔ اس واقعہ کو امام مالک سے قاضی اسماعیل نے اپنی مبسوط میں ذکر کیا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ طلب علم اور دیگر ضروریات کے لئے سفر کا کوئی حرج نہیں صرف کسی جگہ کی طرف جس میں قبر نبویؐ بھی داخل ہے ثواب کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں ہاں اگر کوئی یہاں سے مسجد نبویؐ کی نیت پر سفر کرے۔ اور وہاں پہنچ کر نبی ﷺ کی قبر مبارک کی بھی زیارت کرے تو اس کا کوئی حرج نہیں۔ بلکہ ایسا ہی کرنا چاہئے۔ تاکہ انسان شبہ سے بھی نکل جائے۔ اور کام بھی دونوں ہو جائیں پس یہاں سے یا مکہ شریف سے یہ نیت کرے کہ میں مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے کو جاتا ہوں جب وہاں پہنچ کر نماز سے فارغ ہو جائے تو قبر نبویؐ کی زیارت بھی کر لے۔

دوسری دلیل

(بخاری میں ہے) عتبان بنؓ مالک کہتے ہیں۔ جب میری نگاہ میں نقصان آ گیا میں نے رسول کریم ﷺ کے پاس آدمی بھیجا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپؐ میرے گھر تشریف لا کر کسی جگہ نماز پڑھ دیں تاکہ میں اس جگہ مسجد بنا لوں۔ حضور ﷺ تشریف لائے، نماز پڑھی عتبان بن مالکؓ نے اس جگہ مسجد بنالی۔

جواب:

یہاں پر دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایک جگہ مسجد کی ضرورت ہے اور مسجد بنانے کی تجویز ہو چکی ہے تو اب اس کا افتتاح (یعنی اس کا شروع) کسی بزرگ کے ہاتھ سے بہتر ہے خواہ افتتاح اس طرح ہو کہ وہ اس جگہ نماز پڑھ دے یا اس طرح ہو کہ اس کے وضو کا پانی وہاں چھڑک دیا جائے یا اس طرح ہو کہ بنیاد اس کے ہاتھ سے رکھائی جائے۔ یا اس طرح ہو

کہ مسجد پوری کر کے پہلے اس سے نماز پڑھوائی جائے۔ چنانچہ قریباً قریباً یہ صورتیں احادیث سے ثابت ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مسجد کی بناء
جتنی پرہیزگاری اور تقوی پر ہو اتنی بہتر ہے۔ چنانچہ آیۃ کریمہ **لمسجد اسس علی التقوی** سے ثابت ہے۔ اور بزرگ میں اخلاص اور تقوی چونکہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس کے ہاتھ سے افتتاح زیادہ مناسب ہے۔ عتبان بن مالک کا واقعہ اسی صورت سے ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نبی نے یا کسی بزرگ نے اتفاقیہ کسی جگہ نماز پڑھتی ہے یا وہاں کوئی اور کام کیا ہے تو ہم اس کو زیارت گاہ بنالیں اور تبرک سمجھ کر قصد کر کے اس جگہ زیارت کے لئے آئیں۔ یا اس جگہ مسجد بنا کر قصد کر کے اس میں نماز پڑھنے کو آئیں۔ یعنی پہلے مسجد کا وہاں خیال نہ تھا۔ نہ مسجد کی ضرورت تھی۔ صرف تبرک حاصل کرنے کی خاطر کیا گیا ہو تو جائز نہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس سے منع کیا ہے۔ ہاں اتفاقیہ وہاں نماز کا وقت آگیا ہو تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ یہ بھی حضرت عمرؓ کے قول میں گزر چکا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ انسان کو خدا تعالی نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور عبادت بغیر کھائے پئے نہیں ہو سکتی تو کھانا پینا اس نیت سے کہ میں خدا کی عبادت کروں، اچھی شئے ہے۔ اگر کوئی شخص اس کو الٹ کر یوں سمجھ لے۔ کہ میری زندگی کا مقصد کھانا پینا ہے۔ جیسا کہ آجکل لوگوں کی حالت ہے کہ وہ رات دن اسی دھن میں ہیں۔ تو یہ بہت بری شئے ہے۔

ٹھیک اسی طرح مقصد اصل میں مسجد کا بنانا ہو اور اسکے لئے کسی بزرگ کا تبرک حاصل کرلیا جائے، جیسے وہ اپنے ہاتھ سے بناء رکھدے یا وہاں نماز پڑھ دے یا کسی اور طریق سے چنانچہ اوپر ذکر ہوا ہے تو یہ اچھی شئے ہے۔ اور اگر مقصد تبرک ہو۔ اور اس کی خاطر وہاں مسجد یا زیارت گاہ بنادی گئی۔ تو ایسا ہی ہوگیا کہ زندگی کا مقصد کھانا پینا سمجھ لیا۔ شیخ سعدی مرحوم فرماتے ہیں۔

خوردن برائے زیستن وذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

غرض تھوڑے سے ہیر پھیر سے شئے کا حکم بدل جایا کرتا ہے۔تبرک سے کسی مومن کوانکارنہیں مگر جس طرح تبرک شرع سے ثابت ہے۔اسطرح حاصل کرنا چاہئے۔اپنی طرف سے کوئی صورت ایجادنہیں کرنی چاہئے۔کیونکہ شریعت کانٹے کا تول ہے۔اپنی طرف سے ذراسی کمی بیشی بھی اچھی نہیں دیکھئے! نبی ﷺ کاوجودسراسرخیروبرکت ہے بلکہ ہرنبی کی یہی حالت ہے۔اس کومٹی بھی نہیں کھاتی اور نہ وہ متغیر ہوتا ہے پھراس کودفن کیوں کیا جاتا ہے بلکہ جیسے دانیال نبی کی نعش فارس والوں نے رکھ چھوڑی تھی اور بارش وغیرہ کے موقع پراسکو باہر نکالتے تو بارش ہو جاتی۔اسی طرح ہونا چاہئے تھا۔مگرنہیں شریعت میں اس کی اجازت نہیں۔بلکہ حضرت عمرؓ نے شرک کے خوف سے دانیال نبی کی قبرہی کو بےنشان کردیا۔چنانچہ صفحہ ٦٦-٦٧ میں گزرچکا ہےاورآپ کی قبرکواس لئے بےنشان نہیں کیا گیا کہ آپ نے خدا سے دعا کی ہے کہ یااللہ میری قبرکو بت نہ بنانا لوگ اس کی پوجا کریں تو آپ کی دعاخدانے قبول کی ہےاس لئے عموماًوہ محفوظ رہتی ہے خلاصہ یہ کہ تبرک سے کسی کو انکارنہیں لیکن شرع سے باہر ہوکرتبرک نہیں بلکہ بدعت اورشرک ہے

تیسری دلیل

حضرت انسؓ کافعل پیش کیا کرتے ہیں الفقہ خیرمولوی ابراہیم بدایونی کاایک رسالہ ہے جواراکین جمعیت اہلسنت وجماعت بھیمڑی علاقہ بمبئی کی طرف سے شائع ہوا ہے اس کے صفحہ ۲۱ میں لکھاہے کہ وہ (انسؓ) قبراقدس (نبی ﷺ) پرحاضرہوکرہاتھ باندھتے،اٹھاتے،دیکھنےوالے کہتے گویانمازپڑھ رہے ہیں پہلی دودلیلیں آیت **واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى** اورحدیث عتبان بن مالک بھی اسی رسالہ میں مذکورہیں۔

اس رسالہ کا مفصل جواب ہم نے رسالہ رد بدعات صفحہ ۲۲ الغایت صفحہ ۲۶ میں دیا ہے۔ اوراس رسالہ میں زیارت قبر نبویؐ کیلئے سفر کرنے کے ثبوت میں چند روائتیں پیش کی ہیں انکے جواب میں ہم نے زیارت قبر نبویؐ الگ رسالہ لکھا ہے جو صاحب تفصیل چاہیں یہ دونوں رسالے منگا کر ملاحظہ کریں۔ حضرت انسؓ کے فعل کے متعلق بھی یہاں الگ لکھنے کی ہم کو ضرورت نہیں وہیں سے نقل کئے دیتے ہیں یہ روایت بالکل بے ثبوت ہے اور حضرت انسؓ پر افتراء ہے اگر کسی کو دعوٰی ہو تو بتلائے کہ یہ روایت کتب حدیث سے کس کتاب میں ہے (تا کہ اسکا صحیح وضعیف ہونا پرکھا جائے) ہاں یہ مندرجہ ذیل روایت حضرت انسؓ سے احیاء العلوم جلد ۴ صفحہ ۴۱۹ میں ذکر کی ہے۔

حضرت انسؓ کا قبر نبوی ﷺ پر آنا

عن ابی امامةؓ قال رأیت انس بن مالكؓ اتی قبر النبی ﷺ فوقف فرفع یدیه حتی ظننت انه افتتح الصلوة فسلم علی النبی ﷺ ثم انصرف

یعنی ''ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے انسؓ کو دیکھا۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر آئے، پس ٹھہرے پس ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ نماز شروع کی پس سلام کہا پھر لوٹ گئے۔

لیکن اس روایت کا حال معلوم نہیں کہ صحیح ہے یا ضعیف، پھر قبر کی تعظیم (یا مسئلہ توسل اور استمداد) سے اس روایت کو کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ ابوامامہؓ کو نماز شروع کرنے کا شبہ تبھی پڑا جبکہ حضرت انسؓ نے قبر کی طرف سے منہ پھیر کر قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دعاء کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ پھر دعاء کا ارادہ فسخ ہو گیا۔ اور صرف سلام کہہ کر لوٹ گئے۔ یا سلام کو دعا سمجھ کر ہاتھ اٹھائے۔ جیسے دعاء میں ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ (کیونکہ سلام بھی ایک قسم کی دعا ہے) مگر چونکہ قبر کی طرف سے منہ پھیر کر قبلہ رخ

ہو گئے تھے۔ اسلئے نماز شروع کرنے کا شبہ ہوا اور اس کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں صاف ہے کہ وہ قبر کی دیوار سے پیٹھ لگا کر دعاء کیا کرتے تھے

امام ابن قیم علیہ الرحمہ اغاثۃ اللہفان میں (اور امام محی الدین محمد برکوی صاحب طریقہ محمدیہ جن کی وفات ۹۸۱ھ میں ہوئی ہے۔ رسالہ زیارۃ القبور ملحقہ ردالوافر کے صفحہ ۵۳۸ میں) لکھتے ہیں

قال سلمة بن وردانؓ رأيت انس بن مالكؓ يسلم على النبی ﷺ ثم يسند ظهره الى جدار القبر ثم يدعو.

یعنی ''سلمہ بن وردانؓ کہتے ہیں میں نے انس بن مالکؓ کو دیکھا ہے کہ وہ نبی ﷺ پر سلام ڈالتے پھر پیٹھ قبر کی دیوار کی طرف لگا کر (نبی ﷺ) کے لئے دعاء کرتے۔''

دیکھئے! یہ روایت کیسی صاف ہے کیا قبر کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگانا یہ قبر کی تعظیم ہے پھر ٹیک بھی پیٹھ کیساتھ؟

اس کے علاوہ اور سنئے! مشکوۃ باب القیام میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ کو حضرت رسول اللہ ﷺ سے کوئی زیادہ محبوب نہ تھا۔ مگر آپ کو جب دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیونکہ جانتے تھے۔ کہ رسول اللہ ﷺ اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔

نیز اسی باب میں روایت ہے کہ جس شخص کو اچھا لگے کہ لوگ اس کی تعظیم کے لئے کھڑے رہیں وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔

خیال فرمائیں کہ جب آپ ﷺ کی حیات میں صحابہ تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اور کھڑا رہنا پسند نہیں کرتے تھے تو وفات کے بعد قبر پر کس طرح پسند کریں گے؟ پھر نماز کی طرح گویا جو تعظیم خدا کا حق ہے وہ مخلوق کو دیتے تھے۔ معاذ اللہ! صحابہؓ ایسے شرک کے مرتکب ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں یہ محض ان پر افتراء ہے۔ (در بدعات صفحہ ۴۲-۴۳)

اس سے بڑھ کر اور سنئے! شاہ ولی اللہ صاحب بلاغ المبین کے صفحہ ٦ میں لکھتے ہیں۔

درمصنف خود ابوبکر بن ابی شیبه که از محدثین سلف است آورده اند که مردے درمدینه منوره قریب روضه شریف سرور عالم ﷺ ایستاده چیزے عرض میکرد امام زین العابدینؒ علی بن حسینؓ اورا منع فرمود و گفت آں سرور فرموداست لا تتخذوا قبری وثنا .

یعنی ''ابوبکر شیبہؒ اپنی مصنف میں روایت لاتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے روضہ شریف کے پاس کھڑا کوئی دعا کر رہا تھا۔ امام زین العابدین علی بن حسینؓ نے اس کو منع کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری قبر کو بت نہ بناؤ (قبر کے پاس اس طرح عرض کرنا گویا قبر کو بت بنانا ہے)

امام محمد برکوی صاحب طریقہ محمدیہ رسالہ زیارت القبور کے صفحہ ٥٢٧ میں لکھتے ہیں۔

وفی مسند ابی یعلی الموصلی عن علی بن الحسین انه رأی رجلا یجئی الی فرجة کانت عندقبر النبی ﷺ فید خل فیها فیدعو فنهاه فقال الا احدثکم حدیثا سمعته عن ابی عن جدی عن رسول الله ﷺ قال لا تتخذوا قبری عیدا ولا بیوتکم قبورا فان تسلیمکم یبلغنی حیثما کنتم وقال سعید بن منصورا خبرنا عبدالعزیز بن الحسن بن الحسن ابن علی بن ابی طالب عند القبر فنادانی وهو ببیت فاطمة یتعشی فقال هلم الی العشاء فقلت لا ارید فقال مال رأیتك عند القبر فقلت سلمت علی النبی ﷺ فقال لذا دخلت المسجد ثم قال ان رسول الله ﷺ لا تتخذوا بیتی عید ولا بیوتکم مقابر وصلوتکم تبلغنی حیثما کنتم فما انت ومن بالاندلس الا سواء منه علیه الصلوة والسلام .

یعنی ''علی بن حسینؓ نے ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ کی قبر پر دیکھا دعاء کر رہا تھا تو اس کو منع کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (یعنی ایسا نہ کرو کہ جیسے قبروں میں نماز نہیں پڑھی جاتی، گھروں میں نماز نفل وغیرہ نہ پڑھو) کیونکہ تمہارا اسلام جہاں تم ہو مجھے پہنچ جاتا ہے، اور سہیل بن ابی سہیل کہتے ہیں کہ مجھے حسن بن حسنؓ بن علی بن ابی طالب نے قبر نبی کے پاس دیکھا تو بلایا اور وہ فاطمہؓ کے گھر میں عشاء کا کھانا کھا رہے تھے، فرمایا آؤ کھانا کھاؤ۔ میں نے کہا مجھے خواہش نہیں پھر فرمایا قبر کے پاس کیا کر رہے تھے۔ میں نے کہا نبی ﷺ پر سلام ڈالا ہے فرمایا تو مسجد میں اسی لئے داخل ہوا پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے گھر کو عید نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور تمہارا درود جہاں تم ہو مجھے پہنچتا ہے پس تو اور جو شخص (اس وقت) ملک اندلس میں ہے۔ دونوں برابر ہو۔ یعنی دونوں کا درود برابر پہنچتا ہے یہ دونوں حدیثیں صراط مستقیم کے صفحہ ۱۸۷ پر ابن تیمیہ علیہ الرحمہ نے بھی ذکر کی ہیں۔ اور ابن تیمیہ علیہ الرحمہ قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ کے صفحہ ۵۷ میں لکھتے ہیں۔

روی ابو یعلی الموصلی فی مسنده عن موسی بن محمد بن حبان عن ابی بکر الحنفی حدثنا عبدالله بن نافع حدثنا العلاء بن عبد الرحمن سمعت الحسن بن علی قال قال رسول الله ﷺ صلوا فی بیوتکم ولا تتخذوها قبورا ولا تتخذوا بیتی عیدا وصلوا علی وسلموا فان صلوتکم وسلامکم یبلغنی ورواه سعید بن منصور فی سننه ان عبد الله بن حسین بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب رای رجلا یکثر الاختلاف الی قبر النبی ﷺ قال له یا هذا ان رسول الله ﷺ قال لا تتخذوا قبری عیدا وصلوا علی حیثما کنتم فان صلوتکم تبلغنی فما انت ورجل

بالاندلس منه الاسواء وهذا المعنی عن علی بن الحسین زین العابدین عن ابیه عن علی ابن ابی طالب ذكره عبدالله محمد بن عبد الواحد المقدسی الحافظ فی مختاره الذی هو اصح من صحیح الحاكم وذكره القاضی عیاض عن الحسن بن علی قال اذا دخلت فسلم علی النبی ﷺ فان رسول الله ﷺ قال لا تتخذوا بیتی عیدا ولا تتخذوا بیوتكم قبورا وصلوا علی حیث كنتم فان صلوتكم تبلغنی حیث كنتم.

یعنی ''مسند ابویعلی میں حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھروں میں نماز پڑھواوران کوقبریں نہ بناؤاورمیرے گھرکوعید نہ بناؤاور مجھ پر درود اور سلام بھیجو۔ کیونکہ تمہارا درود اور سلام مجھے پہنچتا ہے۔اورسنن سعید بن منصور میں ہے کہ حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قبر پر بہت آتا جاتا ہے۔کہا اے فلاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری قبر کوعید نہ بناؤاور مجھ پر درود بھیجو۔پس تو اور وہ شخص جو علاقہ اندلس میں ہے برابر ہو۔اوراسی کے قریب ابوعبداللہ مقدسی حافظ نے اپنی مختار میں زین العابدین سے روایت کیا ہےاور قاضی عیاض بن حسنؓ سے ذکر کیا ہے کہ جب تو مسجد نبویؐ میں اتفاقاً داخل ہوتو نبی ﷺ پر سلام ڈال (اور سلام کا قصد کر کے قبر پر نہ آ) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری قبر کوعید نہ بناؤ اوراپنے گھروں کوقبریں نہ بناؤ۔اور مجھ پر درود بھیجو جہاں ہو۔کیونکہ تمہارا درود تم جہاں ہو مجھ کو پہنچتا ہے''

ناظرین خیال فرمائیں۔کہ بڑے بڑے اہل بیت اس معاملہ میں کس قدر احتیاط کرتے ہیں۔کہ وہ درود اور سلام کے لئے بھی قبر نبویؐ پر قصد اور ارادے سے آنا اچھا نہیں سمجھتے۔اور زیادہ آمد و رفت کو بھی پسند نہیں کرتے صرف اتنی اجازت دیتے ہیں کہ جب کوئی

مسجد نبویؐ میں اتفاقاً آوے تو آپ پر سلام درود بھی پڑھے لیکن گھر سے اس کا قصد نہ کرے کیونکہ درود و سلام جہاں سے کوئی چاہے مجھے پہنچ جاتا ہے اور دلیل یہ حدیث کرتے ہیں کہ ہماری قبر کو عید نہ بناؤ۔ بتلایئے اپنی حاجات اور ضروریات کے لئے وہ قبر نبویؐ پر آنا کس طرح جائز سمجھیں گے۔ اور جب قبر نبوی پر اپنی ضروریات اور حاجات کے لئے آنا جائز نہ ہوا تو کسی اور کی قبر پر کس طرح جائز ہوگا۔ کوئی اجمیر دوڑتا ہے، کوئی پاکپتن کوئی پیران کلیر کوئی سجادہ، کوئی بندلی شیر کوئی کسی خانقاہ پر کوئی کسی پر۔ کیا یہ مقامات معاذ اللہ قبر نبویؐ سے بہتر ہیں۔ حاشا وکلا

دیکھئے امام ابوحنیفہؒ کیا فرماتے ہیں۔ غرائب فی تحقیق المذاہب میں ہے۔

رای الامام ابو حنیفة من یاتی القبور لاهل الصلاح فیسلم ویخاطب ویتکلم ویقول یااهل القبور هل لکم من خیر وهل عند کم من اثر انی اتیتکم ونا دیتکم من شهور ولیس سوالی منکم الا الدعاء فهل دریتم ام غفلتم فسمع ابو حنیفه یقول ویخاطبه بهم فقال هل اجابوا لك قال لا فقال له سحقا لك وتربت یداك کیف تکلم اجسادا لا یستطیعون جوابا ولا یملکون شیئا ولا یسمون صوتا وقرأ وما انت بمسمع من فی القبور.

یعنی ''امام ابوحنیفہؒ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بزرگوں کے مزار پر آتا ہے۔ اور انکو

---

[1] بعض لوگ قبروں کی زیارت کے قصد پر جانے کے لئے بعض احادیث ذکر کرتے ہیں لیکن وہ صحت کو نہیں پہنچیں چنانچہ رسالہ زیارت قبر نبوی میں ہم نے اس کی تفصیل کی ہے۔ اس کے علاوہ ان احادیث میں محض زیارت کا ذکر ہے اپنی حاجات اور ضروریات کے لئے جانے کا ذکر نہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ زیارت قبر نبوی۔۱۲

کہتا ہے اے اہل قبور! تمہارے پاس کوئی بھلائی ہے میں کئی مہینوں سے تمہارے پاس آتا ہوں اور تمہیں پکارتا ہوں میرا سوال تم سے صرف یہی ہے کہ تم اللہ سے میرے حق میں دعاء مانگو امام ابوحنیفہؒ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ ان بزرگوں نے تیری دعا کو قبول کیا؟ اس نے کہا نہیں امام صاحب نے فرمایا۔ تو خدا کی رحمت سے دور ہو اور تو ذلیل ہو تو ایسے جثوں سے کیوں کلام کرتا ہے جو جواب نہیں دے سکتے اور جو کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ اور آواز نہیں سنتے اور یہ آیت پڑھی۔ **وما انت بمسمع من فی القبور** ۔یعنی ''تو اہل قبور کو نہیں سنا سکتا۔''

تعجب ہے کہ یہ لوگ جن اماموں کی تقلید کرتے ہیں۔ انکی بھی پرواہ نہیں کرتے آمین رفع یدین میں تو ان کا اتنا پاس کرتے ہیں کہ دنگے فساد تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اور مسائل توحید میں انکو پوچھتے بھی نہیں۔ سب سے مسائل توحید میں احتیاط کرنے والے امام ابوحنیفہ صاحبؒ ہیں۔ لیکن اتنے ہی ان کے ماننے والے غیر محتاط ہیں۔

امام ابوحنفیہ اور روضہ اطہر پر قیام

دیکھئے! زیارت قبر نبوی کے موقع پر دوسرے امام تو کہتے ہیں۔ سلام ڈالنے کے وقت قبر مبارک کی طرف منہ کر کے اور دعاء کے وقت قبلہ کی طرف۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں۔ دونوں میں قبلہ کی طرف منہ کرے رسالہ دحلان میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنی مسند میں ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا سنت ہے صیانۃ الانسان میں اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ مسند امام ابوحنیفہؒ میں جن راویوں نے روایت کی ہے ان میں کئی مجہول، کئی مجروح، کئی کذب سے متہم ہیں۔ زیادہ مشہور مسند کا راوی ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی ہے۔ اس کو میزان الاعتدال میں جھوٹی حدیثیں بنانے کے ساتھ متہم کیا ہے۔ اس کا شاگرد حسن بن زیاد لؤلؤی ہے اس کو میزان الاعتدال میں جھوٹا کہا ہے خاص کر عبداللہ بن عمرؓ کی اس روایت کو طلحہ بن محمد نے صالح بن احمد سے روایت کیا ہے۔ حظ

وفاء الوفاء۔اور طلحہ بن محمد کو میزان الاعتدال میں ضعیف معتزلہ مذہب کی طرف دعوت دینے والا لکھا ہے۔اور صالح بن احمد کو کذاب لکھا ہے۔

دوسرا جواب صیانۃ الانسان میں یہ دیا ہے کہ ائمہ بعض دفعہ ایک روایت کرتے ہیں ۔لیکن مذہب ان کا ان کے خلاف ہوتا ہے ۔کیونکہ بعض دفعہ ان کو دوسری جانب کی دلیل قوی معلوم دیتی ہے بعض دفعہ کوئی اور وجہ ہوتی ہے۔اور یہاں اسی طرح ہے کیونکہ کتب حنفیہ میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی تصریح کی ہے جیسے حاشیہ طحطاوی اور درمختار میں اور فتاوی ہندیہ نقلاً عن الاختیار شرح مختار وغیرہ میں ہے اس کے بعد صیانۃ الانسان میں کتب حنفیہ کی بعض عبارتیں نقل کی ہیں۔چنانچہ لکھا ہے۔

قال الطحطاوی فی حاشه الدر المختار ثم ینهض فیتوجه الی قبره علیه الصلوۃالسلام فیقف عند راسه مستقبل القبلة یدنو منه قدر ثلثة اذرع او اربعة ولا یدنو اکثر من ذلك انتهی .وفی الهندیة نقلا عن الاختیار شرح المختار ثم ینهض فیتوجه الی قبره علیه الصلوة والسلام فیقف عند راسه مستقبل القبلة ثم یدنو منه ثلثة اذرع او اربعةولایدنو منه اکثر من ذلك .انتهی وقال السید محمود افندی شهاب الدین مفتی الحنفیة المفسر الشهیر بالا ولوسی فی تفسیره واختلف الا ئمة فی استقباله عندالسلام ففی مذهب ابی حنیفة انه لا یستقبل بل یستدبر ویستقبل القبلة وقال بعضهم یستقبل وقت السلام ویستقبل القبلة ویستدبر وقت الدعاء والصحیح المعمول علیه انه یستقبل وقت السلام وعند الدعاء یستقبل القبلة انتهی.وعن ابی اللیثؒ یقف مستقبل القبلة وکذلك نقل عن الکرمانی وغیره وماقال السید محمود من ان الصحیح المعمول علیه

انه يستقبل وقت السلام وعند الدعا ء يستقبل القبلةمردود بما قال ابن جماعةفي منسكه من ان الذى صححه الحنفيةانه يستقبل القبلة عند السلام والدعاء قوله وسبق ابن الهمام فى النص على ذلك العلامة ابن جماعة فانه نقل استحباب استقبال القبر عن الامام ابى حنيفه وردعلى الكرماني فى انه يستقبل فقال انه ليس بشيء اقول راجعت منسك ابن جماعة فلم اجد فيه اثرا من هذا النقل والردوا نما فيه فى ذلك الباب ما نقلته انفا فلعل هذا من اكاذيب صاحب الرسالة والنسفةالتى راجعتها صحيحةقديمة كتب فى اخرها ما نصه وكمل نسخ هذه السخةفى العاشر من شهر رمضان المعظم قدره سنة ست واربعين وسبع مائة احسن الله فقصها نى خير وعافيةو كاتبها محمد بن عيسى البزاوى.

یعنی ''طحطاوی حاشیہ درمختار اور فتاوی ہندیہ میں ہے کہ کھڑا ہو کر قبر نبوی کی طرف جائے۔ سر کے نزدیک قبلہ رخ کھڑا ہو آپ سے تین ہاتھ یا چار ہاتھ نزدیک ہو۔ اس سے زیادہ نہ ہو۔ اور سید محمود آفندی مفتی بغداد کہتے ہیں۔ سلام کے وقت قبر کی طرف منہ کرنے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے مذہب میں قبر کی طرف منہ نہ کرے بلکہ پیٹھ کرے اور منہ قبلہ کی طرف ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ سلام کے وقت قبلہ کی طرف اور دعاء کے وقت قبلہ کیطرف منہ کرے۔ اور قبر کی طرف پیٹھ کرے۔ اور صحیح قابل اعتماد یہ ہے کہ سلام کے وقت قبر کی طرف منہ کرے اور دعاء کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرے۔ اور ابی اللیثؒ سے روایت ہے کہ سلام کے وقت بھی قبلہ رخ کھڑا ہو۔ اسی طرح کرمانی وغیرہ سے منقول ہے۔ اور سید محمود آفندی نے جو کچھ کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ سلام کے وقت قبر کی طرف منہ

کرے یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ ابن جماعہ نے منسک میں کہا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ سلام کے وقت بھی قبلہ رخ ہو۔ اور دحلان کا قول اپنے رسالہ میں ہے کہ ابن ھمام سے پہلے ابن جماعہ نے نقل کیا ہے کہ سلام کے وقت قبر کی طرف منہ کرنا مستحب ہے۔ اور کرمانی پر رد کیا ہے کہ یہ کچھ نہیں۔ میں کہتا ہوں غالباً دحلان کا یہ قول جھوٹ ہے کیونکہ مجھے منسک ابن جماعہ میں اس کا نام ونشان نہیں ملا۔ نہ سلام کے وقت قبر کی طرف منہ کرنے کا اس میں ذکر ہے نہ کرمانی پر رد کرنے کا ذکر ہے میں نے منسک ابن جماعہ کا پرانا معتبر نسخہ دیکھا ہے اس میں سلام کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنے کا ذکر ہے۔''

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ سلام کے وقت قبر کیطرف منہ کرنے کے متعلق امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ سلام کے وقت قبلہ رخ ہو۔ ایک یہ کہ قبر کی طرف منہ کرے کسی نے پہلی کو ترجیح دی ہے کسی نے دوسری کو۔ مگر فتاووں میں زیادہ تر قبلہ رخ ہونے کا ذکر ہے اس لئے راجح قول پہلا ہی معلوم ہوتا ہے خیر سلام کے وقت تو کچھ اختلاف ہے دعا کے وقت تو سب متفق ہیں کہ قبلہ رخ ہونی چاہئے اور امام ابو حنیفہؒ سے سلام کے وقت مختلف روایتوں کا آنا دلالت کرتا ہے کہ وہ مسائل توحید میں بہت زیادہ محتاط تھے۔ خاص کر جبکہ قبلہ رخ سلام کی روایات راجح ہیں۔ اور حقیقت امر یہی ہے اسی لئے بعض نے دوسری روایت امام ابو حنیفہؒ سے ذکر ہی نہیں کی۔

امام محمد برکوی اور رسالہ زیارۃ القبور

امام محمد برکوی رسالہ زیارۃ القبور ملحقہ ردالوافر صفحہ ۵۳۸ میں لکھتے ہیں۔

قال ابو حنیفة رحمه الله یستقبل القبلة عند السلام ایضا و لا

يستقبل القبر وقال غيره يستقبل القبر عند السلام خاصة ولم يقل احد من الائمة الاربعة انه يستقبل القبر عند الدعاء الاحكاية مكذوبة [1] عن مالك ومذهبه بخلافها و كذالك الحكاية عن الشافعي رحمه الله انه كان يقصد الدعاء عند ابی حنیفةؒ فانها من الكذب الظاهر .

یعنی ''امام ابوحنیفہ'' کہتے ہیں کہ قبر نبویؐ کی زیارت کے وقت سلام بھی قبلہ کی طرف منہ کر کے ڈالے اور دوسرے امام کہتے ہیں۔ کہ سلام کے وقت خاص قبر کی طرف منہ ہو۔ اور ائمہ اربعہ سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ کہ دعاء کے وقت منہ قبر کی طرف کرے۔ ہاں ایک جھوٹی روایت امام مالکؒ سے نقل کرتے ہیں۔ امام مالکؒ کا مذہب اس کے خلاف ہے اور اس سے بڑھ کر ایک جھوٹی روایت امام شافعیؒ کے ذمے لگا رکھی ہے کہ وہ دعاء کے لئے امام ابوحنیفہؒ کی قبر کا قصد کرتے۔ یہ سراسر جھوٹ ہے۔

غرض ائمہ اس معاملہ میں اسقدر محتاط ہیں۔ کہ قبر نبوی پر اپنے لئے دعا کی درخواست کرنا یا آپ کا وسیلہ پکڑنا تو کہیں رہا آپ کے لئے سلام درود میں بھی کھینچا تانی کر رہے ہیں۔ کوئی دونوں میں قبلہ رخ ہونا بتلاتا ہے اور کوئی سلام کو مستثنیٰ کرتا ہے۔ ہاں امام مالکؒ سے سلام کی بابت دو روایتیں ہیں۔ مگر اپنی خاطر دعا کی نیت سے آنا اور دعا کرنا اس سے وہ بھی سخت منع کرتے ہیں بلکہ کہتے ہیں قبر کے پاس کھڑا ہی نہ ہو۔

---

[1] اس میں محمد بن حمید ایک راوی ہے جو امام مالکؒ سے روایت کرتا ہے۔ مگر امام مالک سے اس کی ملاقات نہیں۔ پس روایت منقطع ہوئی نیز کئی محدثین نے اس راوی کو ضعیف کہا ہے۔ اور کاذب کہا ہے پس اس روایت کا کوئی اعتبار نہیں خاص کر جب امام مالک کا مذہب جو ثقوں نے نقل کیا ہے اسکے خلاف ہے تو پھر اس روایت کا اعتبار کس طرح ہو سکتا ہے ملاحظہ ہو رسالہ ابن تیمیہ قاعدہ جلیلہ۔

صیانۃ الانسان صفحہ ۲۴۲ میں بحوالہ الصارم المنکی لکھا ہے۔

قال القاضی عیاض وقال مالك فی المبسوط لا اری ان یقف عندقبر النبی ﷺ یدعو ویسلم ولکن یسلم ویمضی وھذا الذی نقله القاضی عیاض ذکرہ القاضی اسماعیل ابن اسحاق فی المبسوط قال وقال مالك لا اری ان یقف الرجل عند قبر النبی ﷺ یدعو ولکن یسلم علی النبی ﷺ وعلی ابی بکرؓ وعمرؓ ثم یمضی وقال مالك ذلك لان ھذا ھو المنقول عن ابن عمر انه کان یقول السلام علیك یا رسول الله السلام علیك یا ابا بکر السلام علیك یا ابت اویا ابتاہ ثم ینصرف ولا یقف یدعو فرای مالك ذلك من البدع .

قاضی عیاض کہتے ہیں۔امام مالکؒ مبسوط میں فرماتے ہیں کہ میں دعاء اور سلام کے لئے قبر نبوی پر ٹھیرنا جائز نہیں سمجھتا۔بلکہ سلام ڈال کر گزر جانا چاہئے۔یہ جو کچھ قاضی عیاض نے ذکر کیا ہے اسماعیل بن اسحاق نے بھی مبسوط میں امام مالکؒ سے ذکر کیا ہے کہ قبر نبویؐ پر دعا کے لئے نہ ٹھہرے بلکہ رسول اللہ ﷺ پر اور حضرت ابوبکرؓ پر اور حضرت عمرؓ پر سلام ڈال کر گزر جائے۔اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ سے یہی نقل ہوا ہے وہ کہتے یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ پر سلام،اے ابوبکرؓ آپ پر سلام ،اے میرے والد آپؓ پر سلام پھر چلے جاتے اور دعاء کے لئے نہ ٹھہرتے اس لئے امام مالک نے دعاء کے لئے ٹھہرنے کو بدعت سمجھا ہے۔''

نیز صیانۃ الانسان کے صفحہ ۲۵۴ میں ہے۔

قال فی روایة ابن وھب اذا سلم علی النبی ﷺ ودعا یقف ووجھه الی القبر لا الی القبلة فقوله فی ھذا الروایة اذا سلم ودعا قدیر یدبالدعاء الدعاء للنبی ﷺ کالدعاء عند زیارۃ قبور سائر المومنین وھو

الدعاء لهم قصد او بالذات ولنفسه تبعا وبالعرض وهذا الاینکره احد من المسلمین کما تقدم فان کان مراد المالکیة هذا الدعاء فهو حق لا نزاع لا حد فیه وان کان مرادهم الدعاء الذی یقصد زیارة القبر لاجله ویظن ان الدعاء عند القبر مستجاب وانه افضل من الدعاء فی المسجد فیقصد زیارته لطلب حوائجه فهذا مخالف کما روی عن امامهم بسند صحیح انه قال لا اری ان یقف عند قبر النبی ﷺ یدعو ولکن یسلم و یمضی ذکره اسماعیل بن اسحاق فی المبسوط والقاضی عیاض وغیر هم وقول مالك للخلیفة المنصور عند المناظر لم تصرف و جهك عنه لا یصلح معارضا بهذا المروی فان سنده واه جدا .

امام مالکؒ ابن وہب کی روایات میں فرماتے ہیں ۔جب نبی ﷺ پر سلام ڈالے اور دعا کرے تو ٹھہرے اور منہ قبر کی طرف ہو نہ قبلہ کی طرف اس روایت میں امام مالکؒ کی مراد دعاء سے نبی ﷺ کے لئے دعا ہے جسے قبروں کی زیارت کے وقت مومنوں کیلئے دعاء اصل مقصود ہوتی ہے اور ضمناً اپنے لئے بھی مانگی جاتی ہے اس دعا سے کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا اگر مالکیہ کی یہ دعاء مراد ہو تو ٹھیک ہے اس میں کسی کو نزاع نہیں اور اگر مالکیہ کی دعا سے مراد اپنے لئے دعا ہو، اسی کی خاطر قبر کی زیارت مقصود ہو اور گمان کیا جائے کہ دعا قبر کے پاس قبول ہوتی ہے اور وہ مسجد نبویؐ کی دعا سے افضل ہے اور اسی بناء پر طلب حاجات کی خاطر زیارت کی جائے تو یہ امام مالکؒ کے قول کے خلاف ہے جو صحیح سند سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی قبر کے پاس دعا کے لئے ٹھہرنا میں جائز نہیں سمجھتا بلکہ سلام کہہ کر گزر جائے ۔چنانچہ اسماعیل بن اسحاق نے مبسوط میں اس کو ذکر کیا ہے ۔اور امام مالک کا خلیفہ منصور کو گفتگو کے وقت کہنا کہ تو رسول اللہ ﷺ کی قبر

کی طرف منہ کیوں پھیرتا ہے یہ صحیح سند والے قول کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس کی سند بہت ضعیف ہے۔

غرض قبروں کی زیارت کے معاملے میں بہت احتیاط چاہئے۔ خاص کر قبر نبویؐ کی بابت۔ ایک تو سفر کی اجازت نہیں۔ چنانچہ اس بارے میں ہم نے زیارت قبر نبوی مستقل رسالہ لکھا ہے دوم قبر کو محل اجابت دعاء سمجھ کر نہ آنا چاہئے نہ اپنے لئے دعاء کی نیت کرنی چاہئے۔ ہاں ضمناً اپنے لئے دعاء مانگ لے تو کوئی حرج نہیں۔ سوم قبر نبویؐ پر آپؐ کے لئے سلام و دعاء کی نیت سے بھی عام طور پر نہ آنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت زین العابدین وغیرہ سے اوپر گزر چکا ہے ہاں صرف سفر کو آنے

امنصور کے اس واقعہ میں یہ بھی ہے کہ امام مالکؒ نے منصور کو کہا **هو و سيلتك ووسيلة ابيك ادم الى الله يوم القيامه** یعنی رسول اللہ ﷺ آپ کا اور آپکے باپ آدم علیہ السلام کا قیامت کے دن وسیلہ ہیں۔ یعنی قیامت کے دن شفاعت کے دروازہ آپ کے ذریعے کھلے گا۔ اس لئے آپ کی طرف سے منہ نہ پھیرنا چاہئے بلکہ آپ پر درود و سلام بھیجنا چاہئے اور آپ کے لئے وسیلہ اور مقام محمود کی دعاء کرنی چاہئے جیسے اذان کی دعاء میں ذکر ہے تاکہ آپ کی محبت ہو کر شفاعت نصیب ہو۔ اگر منصور کے اس واقعہ کا یہ مطلب بیان کیا جائے تو اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے لیکن مطلب اسکا صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ احادیث کے مطابق ہے کیونکہ قبروں کی زیارت سے مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ موت کی یاد کے علاوہ حسب حال ان کے لئے دعا کی جائے اور ان کے لئے عافیت اور سلامتی کا سوال کیا جائے اور ان پر سلام ڈالا جائے رسول اللہ ﷺ کے حسب حال سلام، درود، وسیلہ اور مقام محمود وغیرہ کی دعا ہے۔ اور اگر یہ مطلب ہو کہ اپنے لئے دعا کی خاطر قبر نبویؐ کا قصد کیا جائے اور اسکو محل اجابت دعاء سمجھا جائے یا درخواست کی جائے کہ ہماری ضروریات کے لئے دعاء کیجئے۔ یہ سب صورتیں بدعت ہیں۔ سلف سے بالکل ثابت نہیں۔ بلکہ امام مالکؒ خود اس کے خلاف ہیں چنانچہ علامہ احمد بن محمد البرلسی مالکی قواعد الطریقہ میں لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ صفحہ ۳۰ **وقد روى عن مالك لا يتوسل بمخلوق اصلاً** یعنی۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ مخلوق کے ساتھ بالکل وسیلہ نہ کیا جائے۔

جانے کے وقت اجازت ہے۔سلف کا یہی طریق ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں۔جیسے مبسوط میں اسماعیل بن اسحاق نے نقل کیا ہے۔

لا باس لمن من سر او خرج ان یقف علی قبر النبی ﷺ فیصلی علیہ ویدعوله ولا بی بکر وعمر فقیل له وان ناسامن اهل المدینة لا یقدمون من سفر ولا یرید ونه یفعلون ذلک فی الیوم مرة او اکثر عندالقبر فیسلمون ویدعون ساعة فقال لم یغنی هذا عن احد من اهل الفقه ببلد نا ولایصلح اخرهذه الامة الا ماصلح اولها ولم یبلغنی عن اول هذه الامة وصدرها انهم کانوا یفعلون ذلک ویکره الا من جاء من سفراو اراده .وقد تقدم فی ذلک من الاثار عن السلف والائمة مایوافق هذا ویوئده من انهم قصده للدعاء والوقوف عنده للدعاء ومن یرخص منهم فی شیئی من ذلک فانه انابرخص فیها اذا سلم علیه ثم ارادالدعاء وان یدعو مستقبل القبلة ویدعو مستقبل القبر وهکذا کانوا یستحبون عندقبره ماهو من جنس الدعاء له والتحیة کالصلوة والسلام ویکرهون المنقول عن سائر الائمة لیس فی ائمة المسلمین من استحب ان یستقبل قبر النبی ﷺ یدعو عنده (صراط مستقیم صفحه ۲۸۴ لغایت ۲۸۶)

یعنی ''جو سفر سے آوے یا سفر کیلئے نکلے اس کے لئے ڈر نہیں کہ قبر نبویؐ پر آوے۔ اور آپ پر درود پڑھے اور آپؐ کے لئے اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کے لئے دعاء کرے۔اس پر امام مالکؒ کو کہا گیا۔کہ کئی لوگ اہل مدینہ سے سفر سے آنے یا سفر کیلئے نکلنے کو بغیر دن میں ایک دفعہ یا زیادہ یہ کام کرتے ہیں۔کہا ہمارے شہر (مدینہ) میں اہل علم سے یہ بات ہمیں نہیں پہنچی۔اور آخر اس امت کو لائق نہیں۔مگر وہ کام جو اول اس امت کے لائق تھا۔اور

اول اور صدر اس امت (یعنی سلف) سے مجھے نہیں پہنچا کہ وہ یہ کام کرتے ہوں۔ اور یہ مکروہ ہے مگر جو سفر سے آوے یا سفر کا ارادہ کرے۔ اور اس سے پہلے سلف کے آثار اور ائمہ کے اقوال گزر چکے ہیں۔ جو اسکے موافق اور اس کے مؤید ہیں۔ کہ وہ قبر نبویؐ کے پاس رسول اللہ ﷺ کیلئے دعاء اور سلام اور دعاء کا قصد کر کے آنا اور قبر کے نزدیک ٹھہرنا مکروہ جانتے تھے۔ (جیسے زین العابدین وغیرہ سے اور دیگر ائمہ سے میں گزر چکا ہے) اور جو رخصت دیتا صرف اتنی رخصت دیتا کہ جو آپ ﷺ پر سلام ڈالے پھر دعاء کا ارادہ کرے تو قبلہ رخ دعاء کرے۔ اور پیٹھ قبروں کی طرف ہو یا اس سے پھری ہوئی ہو بہر صورت منہ قبلہ کی طرف ہو اور اسی طرح باقی ائمہ سے منقول ہے۔ ائمہ میں سے کوئی اس کو دوست نہیں رکھتا۔ کہ قبر کی طرف منہ کر کے دعاء کرے۔

تعجب ہے کہ یہ لوگ جن اماموں کی تقلید کرتے ہیں ان کی بھی پرواہ نہیں کرتے آمین رفعیدین وغیرہ میں تو انکا اتنا پاس کرتے ہیں کہ دنگے فساد تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور مسائل توحید میں ان کو پوچھتے بھی نہیں

ناظرین خیال فرمائیں کہ ائمہ دین سلف کے کیسے متبع تھے۔ کہ ذرا سا تغیر بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے اور امام مالکؒ کا یہ اصول کیسا سونے سے لکھنے کے قابل ہے۔ کہ اس امت کے آخر کو لائق نہیں۔ مگر جو اول کے لئے لائق تھا۔ یا اللہ! تو ہمیں ان ہی کے طریق پر زندہ رکھ اور انہی کے طریق پر مار اور قیامت کے دن انہی میں حشر کر۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین .

سلف صالحین کے طریق کار کا علمبردار

خوشخبری

جامعہ اہلحدیث لاہور کا
مدینہ یونیورسٹی سے الحاق

جامعہ اہل حدیث لاہور

تعارف: جامعہ اہلحدیث چوک دالگراں لاہور الحمد للہ اپنے تعلیمی معیار اور قابل اساتذہ کے لحاظ سے انفرادی حیثیت کا حامل ہے جس میں 16 قابل محنتی اساتذہ تعلیمی فرائض سرانجام دینے پر مامور ہیں۔

قائم کردہ: مجتہد العصر حضرت العلام حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ و رئیس المناظرین حضرت مولانا حافظ عبدالقادر روپڑیؒ تاسیس اول 1914ء شہر روپڑ تجدید تاسیس 1948ء لاہور

شعبہ جات: جامعہ ہذا سات شعبوں پر مشتمل ہے، تحفیظ القرآن، درس نظامی، وفاق المدارس، دارالافتاء، تصنیف والتالیف، فن مناظرہ، دعوت والارشاد۔ اس کے ساتھ ساتھ ایف اے تک عصری تعلیم کا معقول بندوبست۔

سالانہ اخراجات: جامعہ کا سالانہ خرچہ جس میں طلبہ کے قیام وطعام، ادویات، صابون اساتذہ کرام و ملازمین کی تنخواہوں سمیت تقریباً 16 لاکھ روپے سے تجاوز کر چکا ہے جو اللہ کے فضل وکرم اور احباب کے تعاون سے پورا ہوتا ہے۔

تعمیری منصوبہ: جامعہ کے آئندہ منصوبہ جات میں طلبہ کے لئے تدریسی کمروں کی ضرورت ہے الحمد للہ رہائش کے لئے دوہال نیز عظیم الشان لائبریری تکمیل کے آخری مراحل میں ہے تدریسی کمروں کی تعمیر کا تخمینہ تقریباً 35 لاکھ روپے ہے۔

اپیل: یہ تمام کام اللہ کے فضل وکرم اور احباب کے تعاون سے جاری ہیں اس لئے مخیر حضرات بڑھ چڑھ کر تعاون کا سلسلہ جاری رکھیں۔

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 7066 یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ برانڈرتھ روڈ لاہور پاکستان

منجانب: حافظ عبدالغفار روپڑی
ناظم اعلیٰ جامعہ اہلحدیث فون: 7656730
چوک دالگراں لاہور فیکس: 7659847